عن بعض الصالحین عند ذکر الصالحین تنزل الرحمۃ

شیخ العالم حضرت مولانا محمود حسن صاحب دیوبندی محدث دار العلوم دیوبند

کے بعض حالات کا تذکرہ بروایت حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانویؒ

ملقب بہ

ذکرِ محمود

ذکرِ محمود از محمد رشید حسن ○ حامد حق محسن اہل زمن

افادات

حکیم الامت مجدد الملت حضرت مولانا اشرف علی تھانوی نور اللہ مرقدہ

تمہیدی کلمات

نجم العلماء حضرت مولانا سید نجم الحسن صاحب تھانوی مدظلہ

خلیفہ مجاز بیعت

شیخ طریقت حضرت مولانا محمد قمر الزمان صاحب الہ آبادی دامت برکاتہم

جامع و مرتب

سید حذیفہ نجم تھانوی

جامعہ فیضان حکیم الامت

تکیہ باغ اشرف تھانہ بھون شاملی

مرکز معارف حکیم الامت (بیت اشرف)

خانقاہ امدادیہ اشرفیہ تھانہ بھون (شاملی) یوپی

عن بعض الصّالحین عند ذکر الصّالحین تنزل الرّحمۃ

شیخ الہند حضرت مولانا محمود حسن صاحب دیوبندی محدّث دار العلوم دیوبند

کے بعض حالات کا تذکرہ بروایت حکیم الامّت مولانا اشرف علی تھانویؒ

ملقّب بہ

ذکرِ محمود

ذکرِ محمود از محمّد رشد حسن ❁ حامد حق محسن اہل زمن

افادات

حکیم الامت مجدد حضرت مولانا اشرف علی تھانوی نور اللہ مرقدہ

تمہیدی کلمات

نجم العلماء حضرت مولانا سید نجم الحسن صاحب تھانوی مدظلہ

خلیفہ مجاز بیعت

شیخ طریقت حضرت مولانا محمد قمر الزمان صاحب الہ آبادی دامت برکاتہم

جامع و مرتّب

سیّد حذیفہ نجم تھانوی

مرکز معارف حکیم الامّت (بیت اشرف)

خانقاہ امدادیہ اشرفیہ تھانہ بھون، شاملی، یوپی

شعبہ نشر و اشاعت

مرکز معارف حکیم الامّت (بیت اشرف) خانقاہ امدادیہ اشرفیہ تھانہ بھون ضلع شاملی، یوپی

تفصیلات

نام کتاب ← ذکر محمود
افادات ← حکیم الامت مجدد حضرت مولانا اشرف علی تھانوی نور اللہ مرقدہٗ
جمع وترتیب ← سید حذیفہ نجم تھانوی
سن اشاعت ← ۱۴۴۵ھ مطابق ۲۰۲۴ء
ناشر ← مرکز معارف حکیم الامت (بیت اشرف) تھانہ بھون شاملی
زیر اہتمام ← مولانا اشرف علی تھانوی فاؤنڈیشن تھانہ بھون
رابطہ ← 9568780000 - 9675780000

ملنے کے پتے

❖ ادارۃ تالیفات اشرفیہ تھانہ بھون شاملی 9927031090
❖ کتب خانہ امداد الغرباء محلہ مفتی سہارنپور 9927164925
❖ مکتبہ مدنیہ دیوبند 9897915323

علاوہ ازیں دیوبند اور سہارن پور کے ہر معیاری مکتبہ سے حاصل کریں

HAKEEMUL UMMAT ACADEMY
Khanqah Ashrafiya Thana Bhawan 247777
Distt. Shamli, U.P.
email: hakeemulummatacademy@gmail.com

فہرست مضامین

مضامین	صفحہ نمبر
تمہیدی کلمات	۸
پہلے مجھے پڑھیے	۱۰
تحریکِ خلافت اور کانگریس	۱۳
افواہوں کی تردید	۱۹
سوال مولوی خلیل الرحمٰن صاحب سیوہاروی	۲۰
جواب حضرت اقدس مولانا محمود حسن صاحب قدس سرہٗ	۲۰
حضرت الاستاد کی شفقت وتواضع کے چند نمونے	۲۱
احوال وسوانح: شیخ العَالَم حضرت مولانا محمود حسن دیوبندیؒ	۲۴
ولادت باسعادت	۲۴
تعلیم وتربیت	۲۴
درس وتدریس	۲۵
سلوک وتصوف	۲۶
تحریک ریشمی رومال	۲۶
وصال مبارک	۲۷
تصانیف	۲۷
ذکرِ محمود	۳۰
اذکار	۳۱
ذکر نمبر (۱) پہلی زیارت	۳۱

ذکرنمبر(۲) حضرت نانوتویؒ کی خدمت ۳۱
ذکرنمبر(۳) تقریر میں سلاست واِرتباط ۳۲
ذکرنمبر(۴) نفسِ مطلب پر اِکتفا ۳۲
ذکرنمبر(۵) اسباق میں کیفیات ۳۲
ذکرنمبر(۶) ۳۲
ذکرنمبر(۷) ۳۳
ذکرنمبر(۸) ۳۳
ذکرنمبر(۹) ۳۳
ذکرنمبر(۱۰) مناظرہ ۳۳
ذکرنمبر(۱۱) تصانیف اور ترجمۂ قرآن ۳۴
ذکرنمبر(۱۲) تواضع ۳۵
ذکرنمبر(۱۳) ۳۵
ذکرنمبر(۱۴) ۳۵
ذکرنمبر(۱۵) ۳۵
ذکرنمبر(۱۶) للّٰہیت ۳۵
ذکرنمبر(۱۷) کسرِ نفسی ۳۶
ذکرنمبر(۱۸) حضرت گنگوہیؒ سے اِجازت حدیث کی خواہش ۳۸
ذکرنمبر(۱۹) نفاست پسندی اور سادگی ۳۸
ذکرنمبر(۲۰) اِمامت سے گریز ۳۸
ذکرنمبر(۲۱) ہاں بھائی! یہ عیب تو میرے اندر بھی ہے ۳۹
ذکرنمبر(۲۲) کمال صبر و برداشت ۳۹
مکاتیبِ حضرت مولانا رحمہ اللہ ۴۰

ذکر نمبر (۲۳) ۴۰
مکتوب نمبر (۱) ۴۲
مکتوب نمبر (۲) ۴۳
ذکر نمبر (۲۴) حق پرستی اور رعایتِ دِین ۴۳
ذکر نمبر (۲۵) گفتگو سے رائے نہیں بدلا کرتی ۴۴
خاتمہ ۴۶
ضمیمہ ذکرِ محمود ۴۸
شیخ العالم حضرت مولانا محمود حسن صاحبؒ کی حکایت ۴۹
ذکر (۱) سادگی ۵۲
ذکر (۲) ذکاوت وظرافت وجفاکش ۵۲
ذکر (۳) اکمالِ صلاۃ ۵۴
ذکر (۴) چھوٹوں پر شفقت ۵۴
ذکر (۵) مزاح ۵۵
ذکر (۶) قوت نسبت ۵۶
ذکر (۷) انفاق محبوب ۵۶
ذکر (۸) ہر کس وناکس کا خیال ۵۷
ذکر (۹) حب شیخ ۵۷
ذکر (۱۰) سوز ودرد ۵۸
ذکر نمبر (۱۱) ۵۸
ذکر نمبر (۱۲) ۵۸
ذکر (۱۳) اجازت وخلافت ۵۹
ذکر نمبر (۱۴) ۵۹

ذکر(۱۵)فنافی الشیخ ۵۹
ذکر(۱۶)صبر وشکر ۶۰
ذکرنمبر(۱۷) ۶۰
ذکرنمبر(۱۸)..... ۶۰
ذکر(۱۹)تواضع ۶۱
ذکرنمبر(۲۰)..... ۶۱
ذکرنمبر(۲۱) ۶۱
ذکرنمبر(۲۲) ۶۲
ذکرنمبر(۲۳) ۶۲
ذکرنمبر(۲۴)..... ۶۳
ذکرنمبر(۲۵) ۶۳
قصیدہ..... ۶۵
شیخ العرب والعجم حضرت مولانا محمود حسن قدس سرہٗ کے گراں قدر کلماتِ حکمت . ۶۸
مدارسِ اسلامیہ کے لیے چندہ جمع کرنے کا طریقہ ۷۰
حدیث لدُ ود کا مفہوم ۷۱
انبیاء علیہم السلام کو عوام نے نہ پہچانا ۷۲
اصلاح کی خاطر سختی کرنا ۷۲
ایک حدیث کا مفہوم ۷۳
جیل میں رونے کا سبب مقبولیت کی فکر تھی..... ۷۳
کلمۃ اللہ میں کلمہ سے کیا مراد ہے؟..... ۷۴
ایک لطیفہ ۷۴
قربانی میں ایسا جانور ذبح کرو جس سے رنج طبعی ہو ۷۵

شعارِ کفر ۷۶
واردات کی مخالفت سے دنیاوی ضرر ہوتا ہے ۷۷
معمول بھی ترک نہ کیا ۷۷
مسلمانوں میں مادۂ رحم ۷۸
مجسمہ اخلاق ۷۸
اہلِ علاقہ کی اصلاح ۷۹
لطیف تردید ۷۹
مقاصدِ شریعت کی حفاظت ۷۹
اختلافات میں بھی قلبی تعلق ۸۰
اصاغر نوازی کی عجیب مثال ۸۱
بے نفسی کی انتہاء ۸۱
بڑے چھوٹے کا فرق ۸۲
شیخ الہند نہیں شیخ العرب ۸۲
ملتے رہنے سے مخالفت کم ہوتی ہے ۸۳
انگریز کا اعتراف ۸۴
بدعت کی حرمت ۸۴
ایک حلیم کی حکایت ۸۵
ثقہ لوگوں کی بھنگ ۸۵
علامتِ ولایت ۸۶
حضرت مولانا دیوبندی (شیخ الہند) کے متعلق حضرت حاجی صاحب کا ارشاد .. ۸۶
اساتذہ کی رائے ۸۶
مالٹا کی زندگی میں دو سبق ۸۷

تمہیدی کلمات

والد محترم حضرت مولانا سید نجم الحسن صاحب تھانوی

ناظم ومتولی: خانقاہ امدادیہ اشرفیہ تھانہ بھون

(خلیفہ ومجاز)

شیخ طریقت حضرت علامہ قمر الزمان صاحب الہ آبادی مدظلہ

نحمده ونصلي علىٰ رسوله الكريم، أما بعد:

شیخ الاسلام حضرت مدنی قدس سرہٗ کے خلیفہ ومجاز حضرت مولانا محمود حسن پٹھیروی رحمہ اللہ نے کئی مرتبہ بڑی دلسوزی سے فرمایا کہ ''ہمارے بزرگوں کے آپس میں جو تعلق اور محبتیں تھیں آپس کے اختلاف رائے کے باوجود ایک دوسرے کا کس قدر پاس ولحاظ، احترام واکرام کیا کرتے تھے'' ایسے بیشمار ارشادات اور واقعات ہیں ان واقعات کو عام کرنے کی ضرورت ہے تاکہ نئی نسل ان سے سبق حاصل کرے اور کسی کے اخلاص اور نیک نیتی پر شک کرکے اپنی عاقبت برباد نہ کرے۔

حقیقت یہ ہے کہ ان حضرات کا اختلاف ہرگز ہرگز اغراض ونفسانیت پر مبنی نہ تھا ان کا ہر اقدام خلوص دل سے دین کی بقا اور مسلمانوں کی فلاح وبہبود کے لیے ہی تھا۔

زمانۂ تحریکات میں حضرت تھانوی علیہ الرحمہ کی رائے اپنے استاد حضرت مولانا محمود حسن دیوبندی سے مختلف تھی باوجودیکہ ان دونوں عبقری شخصیتوں کی رائے میں بعد المشرقین تھا؛ لیکن اس کی وجہ سے آپس کے تعلقات، محبت وعظمت اور شفقت میں کوئی فرق واقع نہ ہوا جب کہ بعض نادان اور پرجوش حامیوں نے اختلاف رائے کو مخالفت کا رنگ دینے اور فضاء کو مسموم کرنے میں کوئی کسر اٹھا نہ رکھی؛ حالاں کہ ایسے امور اجتہادیہ میں تو استاد اور شاگرد کا

اختلاف ائمہ مجتہدین اور سلفِ صالحین کی سنت اور کمال دیانت کی دلیل ہے۔

اجتہادی اور ظنی مسائل میں اختلاف کی مکمل گنجائش ہے یہ اختلاف ہمیشہ رہا ہے؛ لیکن اس کی بنیاد پر کسی کو ضال و مضل کہنا، عاصی و گنہگار ٹھیرانہ قطعاً درست نہیں۔

حضرت حکیم الامتؒ کی یہ بھی خصوصیت تھی کہ انہوں نے اکابر دیوبند کو کافی قریب سے دیکھا طویل صحبت سے فیض یاب ہوئے ان کے مسلک، مزاج و مذاق کو سمجھنے اور جذب کرنے کے خوب مواقع ملے آپ کو اپنے بزرگوں کے واقعات اور بصیرت افروز علوم و معارف ازبر تھے جن کو اپنی مجالس، مواعظ اور ملفوظات میں کثرت سے بیان فرماتے رہتے۔[1]

اسی ضمن میں حضرت حکیم الامتؒ اپنے استاد حضرت مولانا محمود حسن دیوبندیؒ کے واقعات اور کلمات حکمت بھی کمال عقیدت کے ساتھ لطف لے لے کر بیان فرماتے تھے جو آپ کے ملفوظات میں جگہ جگہ موجود ہیں۔

''عزیزم مفتی سید حذیفہ سلّمہٗ'' نے ان جواہرات کو چن چن کر ایک لڑی میں پرو دیا ہے اور میرے مشورے سے ذکر محمود کے ساتھ شامل کر کے مرکز معارف حکیم الامت کی طرف سے شائع کر رہے ہیں۔

بفضلہٖ تعالیٰ یہ مجموعہ خوب سے خوب تر ہو گیا۔ ہر گلے را رنگ و بوئے دیگر است
اللہ تعالیٰ اس کو نافع بنائے اور ہم سب کو اپنے اکابر کی قدر دانی کی توفیق بخشے آمین

سید نجم الحسن تھانوی

بروز دوشنبہ ۱۸/ جمادی الثانی ۱۴۴۵ھ

❑❖❑

(۱) یہ بے مثال ذخیرہ دین کا فہم، عمل کا جذبہ پیدا کرنے اور طالبانِ حق کی رہنمائی میں بے انتہا مؤثر و کارآمد ثابت ہو رہا ہے۔

پہلے مجھے پڑھیے!

شیخ العالم حضرت مولانا محمود حسن دیوبندی
حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانوی
کی

باہمی محبت، الفت اور عقیدت وشفقت

سید حذیفہ نجم تھانوی

حضرت حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانوی قدس سرہٗ کو بزرگانِ دین اور اولیائے کرام سے خاص اُنسیت اور والہانہ عقیدت ومحبت تھی۔ جب ان کا ذکر فرماتے تو آپ پر عجیب کیفیت طاری ہوجاتی۔ فرماتے تھے کہ بزرگوں کے تو نام سے بھی روح میں تازگی اور قلب میں نور پیدا ہوتا ہے۔

بزرگانِ دین کے ذکرِ خیر کو اس درجہ نافع ومفید سمجھتے تھے کہ ''نزہتہ البساطین'' کے نام سے ایک ہزار حکایات کا مجموعہ شائع کرایا، اسی طرح ''قصص الاکابر'' اور ''ارواحِ ثلاثہ'' آپ کی ایماء سے مرتب ہوکر شائع ہوئیں۔ آپ فرماتے تھے کہ یہ حضرات خدا اور رسول کے سچے عاشق ہیں؛ اس لیے ممکن نہیں کہ ان کے حالات پڑھے جائیں اور قلب میں محبتِ الٰہی پیدا نہ ہو۔

آپ نے اپنے اکابر حضرت حاجی صاحب، حضرت گنگوہی، حضرت مولانا فضل الرحمٰن

گنج مرادآبادی، حضرت سہارن پوری اور حضرت دیوبندی کی وفات پر اپنے تأثرات پر مشتمل مضامین لکھے جو بالترتیب: ''امدادالمشتاق''، ''یادِ یاراں''، ''گنج بے رنج''، ''خوانِ خلیل'' اور ''ذکرِ محمود'' کے نام سے شائع ہوئے ہیں۔

ان تذکروں سے بزرگوں کے ساتھ موانست اور عقیدت ومحبت صاف ظاہر ہے۔

حضرت تھانویؒ حضرت الاستاد مولانا محمود حسن دیوبندیؒ کا غایت درجہ احترام اور بے حد اکرام کرتے اور ان کو مجسم اخلاق فرماتے تھے۔ حسبِ موقع نہایت عقیدت کے ساتھ حاضرِ خدمت بھی ہوتے رہتے تھے، حضرت تھانویؒ نے اپنے استاد کی سوانح اور ان کے کمالاتِ علمیہ پر ایک رسالہ ''ذکرِ محمود'' کے نام سے تصنیف فرما کر شائع کیا تھا جو آگے ملاحظہ سے گزرے گا۔

حضرت تھانوی حضرت مولاناؒ کی تواضع حسن اخلاق، حق پرستی اور بے نفسی کے بیحد مداح تھے اور اکثر اپنی مجالس میں لطف لے لے کر ان صفات کا ذکر اور تعریف فرماتے۔

ایک سلسلہ گفتگو میں فرمایا کہ اپنے حضرت کی جو شان ان کی حق پرستی اور بے نفسی دیکھی ایسا کسی کو بھی نہیں دیکھا حضرت جب مالٹا سے تشریف لائے تو میں بھی بغرض زیارت دیوبند حاضر ہوا حضرت نے بڑی شفقت فرمائی وہ باتیں اس وقت یاد آتی ہیں تو ان حضرات کو آنکھیں ڈھونڈتی ہیں۔ (الافاضات الیومیہ جلد پنجم)

حضرت مولانا محمود حسن رحمہ اللہ عام طور پر شیخ الہند کے لقب سے پہچانے جاتے تھے؛ لیکن حضرت تھانویؒ آپ کو ہمیشہ شیخ العالم اور شیخ الاسلام کے لقب سے یاد فرماتے تھے۔

ایک مرتبہ دَورانِ گفتگو فرمایا کہ جب کوئی حضرت الاستاد کو (شیخ الہند) کہتا یا لکھتا ہے تو میرے دل پر تیر سا لگتا ہے کہ شیخ الاسلام کو (شیخ الہند) کہتے ہو۔ ہمارے اعتقاد میں تو وہ شیخ العرب والعجم ہیں۔

اگرچہ حضرت حکیم الامتؒ کو بعض سیاسی مسائل میں استادِ محترم سے اجتہادی

اختلاف ہوگیا تھا؛ لیکن عقیدت روز افزوں تھی، آپ کا ذکرِ خیر بدستور فرماتے رہتے اور اخیر تک محبت وتعلق میں کسی قسم کا فرق نہیں آیا۔

تاریخِ اسلام کے ہر دَور میں یہ قابلِ فخر روایت موجود رہی ہے کہ اکابر نے اپنے اصاغر کا خندہ پیشانی سے استقبال کیا ہے۔ اگر ضرورت محسوس کی تو قوی دلائل اور شستہ ومتین اسلوب میں علمی مکالمہ سے کام لیا؛ لیکن اصاغر کو دیوار سے لگانا یا انہیں دینی حلقوں میں مطعون ٹھیرانا ان کی سیرت میں بالکل ناپید طرزِ عمل تھا۔ علم وتحقیق کا سفر ہو، یا غیر علمی مشاغل کے علاوہ سیاسی نقطۂ نظر سے شدید ترین اختلاف رائے ہو، ان میں سلفِ صالحین اور اکابرینِ امت کا درخشاں طرز واسلوب اختیار کرنے کی شدید ضرورت ہے، جن کے منہج اور طرزِ فکر سے وابستگی دینی حلقہ میں لازمی امر کے طور پر جانی جاتی ہے، آج کے اس پُرفتن دَور میں بجا طور پر ایک محتاط اور قابلِ تحسین حکمتِ عملی ہے۔ دینی طبقہ کے ''اکابر سے وابستگی'' کے اس رجحان کے پیشِ نظر معلوم ہوتا ہے کہ سلفِ صالحین واکابر علماء کے اختلافِ رائے اور رواداری کے چند آداب ونمونے سامنے لائے جائیں؛ تاکہ موجودہ دَور میں باہمی، علمی وسیاسی اختلافات کے موقع پر نقوشِ اکابر کے مطابق ہم اپنے طرزِ فکر وعمل میں تبدیلی لاسکیں۔

اسی درخشاں اسلوب کے پیشِ نظر طبیعت میں داعیہ پیدا ہوا کہ ہمارے یہ دونوں اساسی اکابر حضرت شیخ العرب والعجم وحضرت حکیم الامت مولانا تھانوی رحمہم اللہ باوجود یکہ دونوں کا آپس میں تعلیم وتعلّم کا رشتہ تھا، اور ایک ہی مکتبِ فکر سے تعلق رکھتے تھے؛ لیکن تحریکِ خلافت کے متعلق دونوں کا مسلک مختلف تھا؛ مگر اس کے باوجود باہمی الفت ومحبت اور عقیدت میں خش خاش کے دانے کے برابر بھی کمی نہیں آئی؛ کیوں کہ جانبین خلوصِ دل سے اصل مقصود یعنی خیر خواہی اسلام اور اہلِ اسلام میں بالکل متحد تھے اور آپس میں حسنِ ظن رکھتے تھے۔ یہ اکابر ربط وتعلق اور ایک دوسرے کے احترام ولحاظ کی انوکھی مثال قائم فرما گئے۔ ان کے حالات وواقعات اور امثال جو حضرت حکیم الامت

کے قلم سے اپنے استادِ محترم حضرت شیخ العالم کے متعلق نکلے ہوئے ہیں، اور حضرت الاستاد کے اپنے مایہ ناز شاگرد حضرت حکیم الامت رحمہ اللہ کے متعلق جو اقوالِ زریں تحریر ہیں، وہ امت کے لیے بہترین مشعلِ راہ ہیں، اس کا اندازہ حضرت تھانویؒ کے ملفوظات پر نظر ڈالنے سے بخوبی ہو جاتا ہے۔

تحریکِ خلافت اور کانگریس

مسلمانوں کے جذبات تو جنگِ عظیم شروع ہونے سے قبل ہی مجروح کیے جا چکے تھے۔ مسلم ممالک پر یورپی قوتوں کے حملے اور قبضے نے مسلمانوں کے دلوں میں ان کے خلاف نفرت کی آگ بھر دی تھی۔ طرابلس پر اٹلی کے حملہ نے تمام عالمِ اسلام میں غم و غصہ کی لہر دوڑا دی، ابھی مسلمانوں کے زخموں سے خون رِس ہی رہا تھا، کہ جنگِ عظیم اوّل کا آغاز ہو گیا، برطانیہ نے جرمن سے فتح حاصل کرنے کے لیے مسلمانوں سے کچھ معاہدے کیے تھے؛ لیکن جنگِ عظیم میں فتح حاصل کرنے کے بعد برطانوی سامراج نے مسلمانوں سے کیے گئے وعدوں کو فراموش کر دیا اور ترکی کے حصے بخرے کر دیے اور ایک جبری معاہدہ کے تحت خلافت اور سلطنتِ عثمانیہ کو ختم کر کے ترکی سیادت کا عملاً صفایا کر دیا۔ اور ترکوں کے کئی اکثریتی علاقے چھین لیے جس سے مسلمانانِ ہند کو زبردست ٹھیس پہنچی اور ہندوستانی سیاست میں شدید طوفان آ گیا، جس میں بیرونی سیاست کی موجیں بھی ہل گئیں، خلافت کے مسئلہ نے ہر ہندوستانی کو اپنی طرف متوجہ کر لیا۔

ادھر ہندوستان میں مجلسِ خلافت کی تشکیل ہوئی، اور ۱۹۱۹ء میں آل انڈیا خلافت کمیٹی کا قیام عمل میں آیا۔ جس میں عوام نے بے پناہ جوش و خروش سے حصہ لیا اور جگہ جگہ مظاہرے ہونے لگے، برِعظیم کے مسلمانوں کے جذبات اِس قدر مشتعل ہوئے کہ اس نے تحریک کی شکل اختیار کر لی جو تحریک خلافت کے نام سے جانی جاتی ہے۔

تحریکِ خلافت میں تحریک کے مقاصد کے حصول کے لیے جو طریقہ کار اختیار کیے گئے اور اس تحریک پر غیر مسلم لیڈران کے چھا جانے اور ان کے غالب آ جانے کی وجہ سے حضرت حکیم الامتؒ نے علیحدگی اختیار فرمائی تھی؛ ورنہ تحریک کے اغراض و مقاصد یعنی خلافت کی بقاء ملتِ اسلامیہ اور مقاماتِ مقدسہ کے تحفظ اور مظلوم مسلمانوں کی امداد سے قطعاً کوئی اختلاف نہ تھا حضرت تھانوی نے خلافت کو اجماعی مسئلہ بتلایا جس سے اختلاف ممکن نہ تھا۔

چناں چہ حضرت حکیم الامتؒ نے متعدد جلسوں میں مسلمانانِ ہند کو اپنے مجروح ترک بھائیوں، یتامیٰ اور بیوگان کی امداد کی ترغیب دلائی؛ لیکن ان مقاصد کے حصول کے لیے جو طریقہ اپنایا جا رہا تھا اُس میں شرعی حدود کو مدنظر نہ رکھنے پر سخت صدمہ تھا، کہ اسلامی مقاصد کے حصول کے لیے غیر اسلامی تدابیر اختیار کی جا رہی ہیں۔

اس تحریک میں مسلمانوں کا جوش ان کے ہوش پر غالب آ گیا تھا؛ اس لیے ان سے ایسی حرکات سرزد ہوئیں جو اسلام کے منافی تھیں۔

حضرت تھانویؒ کا مسلمانوں کو مشورہ تھا، کہ کام جوش سے نہیں ہوش سے کیے جائیں اور حدودِ شریعت میں رہ کر کیے جائیں، اسی دَوران کانگریس کا قیام عمل میں آیا۔

حضرت الاستاد رحمہ اللہ کانگریس کے بڑے حامی اور مؤید تھے اور حضرت حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانوی رحمہ اللہ مسلمانوں کی کانگریس میں شمولیت کے سخت خلاف تھے۔ یعنی حضرت دیوبندیؒ کانگریس کے جتنے حامی تھے، یہ اتنے ہی مخالف اور اختلاف کا بھی یہ عالم تھا کہ ایک طرف اکثر اکابر دیوبند اور دوسری طرف تھانہ بھون کا یہ یکہ و تنہا درویش؛ چوں کہ ان دونوں بزرگوں یعنی استاد و شاگرد کا اختلاف بالکل اجتہادی قسم کا تھا، اور محض اخلاص وللّٰہیت پر مبنی تھا، جیسے ائمہ مجتہدین اور سلفِ صالحین میں شروع سے چلا آتا ہے؛ اس لیے اس اختلاف کے باوجود استاد اور شاگرد کے ذاتی تعلقات بدستور قائم رہے، جس پر

ان کے نادان دوستوں اور نافہم مخلصوں میں بڑی کشاکش رہتی تھی۔

حضرت تھانویؒ کے عقیدت مندوں کو تو اس معاملہ میں لب کُشائی کی ہمت ہی نہ ہوتی تھی؛ مگر حضرت دیوبندیؒ کے متعلقین آپ سے ان کی اکثر شکایت کرتے رہتے تھے، اور حضرت الاستاد حضرت اقدس تھانوی رحمہ اللہ کے حُسنِ ظن کی تصدیق اور خدماتِ دینی کی تعریف کر کے ان کوتاہ نظروں کو اعتراضات سے روکتے تھے۔

چناں چہ کسی نے اس تعلق سے حضرت دیوبندی رحمہ اللہ سے ذکر کیا، حضرت رحمہ اللہ نے جواباً فرمایا کہ: ''کیا تم سمجھتے ہو کہ میں جو کہہ رہا ہوں وحی سے کہہ رہا ہوں، میری بھی ایک رائے ہے اس کی بھی ایک رائے ہے''۔

ایک مرتبہ چند لوگوں نے حضرت دیوبندی کی بیٹھک میں حضرت تھانویؒ کے متعلق کچھ نازیبا الفاظ استعمال کیے، اتفاق سے وہ الفاظ حضرت مولانا محمود حسن رحمہ اللہ نے سن لیے اس پر آپ نے سب کو ڈانٹا اور فرمایا کہ تم ایسے شخص کی شان میں گستاخی کر رہے ہو جس کو میں اپنا بڑا سمجھتا ہوں؛ بلکہ ایک موقع پر فرمایا کہ: تم کیوں بار بار اس پر اعتراض کرتے ہو وہ بھی دین کا ایک کام کر رہا ہے۔

ایک دفعہ تو ایک پانی پتی عالم سے یہاں تک کہہ دیا کہ بھائی اپنی جماعت میں اختلاف تو اچھا نہیں معلوم ہوتا، پھر میں ہی کسی قدر اپنی رائے کیوں نہ بدل دوں اور اس معاملہ میں ان (حضرت تھانویؒ) کی موافقت کرلوں؛ کیوں کہ میرے اوپر کوئی وحی تو نازل ہوتی نہیں کہ میری ہی رائے ٹھیک ہو، حضرت کی نظر میں اختلاف کا یہ درجہ تھا۔

اختلافِ رائے کے باوجود استادِ محترم نے حضرت تھانوی سے وہی تعلقات شفقت باقی رکھے جب کہ حضرت تھانوی باوجود مخالفین ولائمین کی سخت فتنہ پردازیوں اور شورش انگیزیوں کے اپنے موقف پر نہایت مضبوطی کے ساتھ برابر مردانہ وار جمے رہے جس پر استادِ محترم نے اس عنوان پر مدح فرمائی۔

ہمیں فخر اور خوشی ہے کہ ان تحریکات حاضرہ سے جو بالکل کنارہ کش ہے وہ بھی ہمیں میں سے ہے۔ ایک موقع پر فرمایا کہ ہمیں اس پر بھی فخر ہے کہ ہماری ہی جماعت کا ایک فرد دلائل کے ساتھ ہم سے اختلاف رکھتا ہے۔

کچھ لوگوں نے مولانا محمود حسن رحمہ اللہ سے حضرت مولانا تھانوی کی تحریکِ خلافت میں عدمِ شمولیت کی شکایت کی، تو اس پر آپ نے فرمایا کہ: ''ہم کو اس پر بھی فخر ہے کہ ایسی ہمت کا آدمی بھی ہم میں سے ہے کہ جس نے تمام دنیا کی پرواہ نہ کی جو اس کی رائے میں حق ہے، اس پر استقلال سے قائم ہے نہ کسی کے دباؤ یا اثر کو ذرّہ برابر حق کے مقابلے میں قبول کیا۔

مندرجہ بالا ارشادات سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ حضرت مولانا دیوبندیؒ کے نزدیک بھی اس مسئلہ میں اجتہاد کی گنجائش تھی؛ ورنہ عدمِ شرکت کی مدح ہرگز جائز نہ رکھتے۔

بارہا مشاہدہ سے یہ بات معلوم ہوتی ہے کہ بسا اوقات اختلافِ رائے کے نتیجہ میں فریقین بے احتیاطی سے اپنے قول و فعل کے ذریعہ ایک دوسرے کی ذہنی کوفت کا سبب بنتے ہیں جسے بدقسمتی سے بعض حلقوں کی طرف سے دینی مصلحت کا تقاضا بھی قرار دیا جاتا ہے؛ حالاں کہ ہمارے اپنے ان اکابر کی مثال موجود ہے، ان اکابر نے علمی اختلافات کے علاوہ شدید ترین سیاسی اختلافِ رائے کے مواقع پر بھی باہمی محبت والفت اور عقیدت میں ذرّہ برابر کمی نہیں آنے دی، علمی رشتہ و تعلق کا والہانہ انداز حسبِ معمول برقرار رکھ کر ہمارے لیے قابلِ تقلید نمونہ چھوڑ گئے، یہ نقوش اور رہنما خطوط ہماری حیات کے لیے بہترین مشعلِ راہ ہیں، یہ ہمارے اکابر اپنے اختلافات کے عروج میں بھی فریق مخالف کو نیچا دکھانے کے ہر اس عمل سے نہایت سختی سے اجتناب کیا کرتے تھے جو اس کے لیے ذہنی اذیت کا ذریعہ بنتا تھا، حضرت دیوبندی رحمہ اللہ کو اپنے مایہ ناز شاگرد حضرت حکیم الامت رحمہ اللہ سے بہت ہی انس و محبت تھی؛ لیکن استاد اور شاگرد دونوں کو اپنے اپنے موقف پر پوری طرح ثابت قدم ہونے کے باوجود اس بات کا پورا یقین تھا کہ یہ رائے کا دیانت دارانہ اختلاف ہے۔

چناں چہ ایک مرتبہ تحریک کے بعض کارکنوں نے حضرت حکیم الامت کے وطنِ عزیز ''تھانہ بھون'' میں اجلاس کے انعقاد کا فیصلہ کیا اور حضرت دیوبندیؒ کے سامنے اپنی اس تجویز کا ذکر کیا تو حضرت رحمہ اللہ نے سختی سے انکار کیا اور فرمایا کہ: ''یہ مجھ سے نہیں ہوسکتا''۔

اسی طرح مالٹا سے واپسی پر حضرت تھانوی ملاقات کے لیے حاضر ہوئے تو ایک صاحب نے موقع سے فائدہ اٹھاتے ہوئے حضرت اقدس سے کہا کہ مولانا تھانوی یہاں آئے ہوئے ان سے تحریکِ خلافت کے مسئلہ پر گفتگو کرلی جائے، شاید وہ قائل ہوجائیں، حضرت دیوبندیؒ نے فرمایا: وہ میرا لحاظ کرتا ہے، میرے سامنے بولے گا نہیں، میں ضیق میں ڈالنا نہیں چاہتا، پھر فرمایا کہ رائے گفتگو سے نہیں واقعات سے بدلا کرتی ہے، باقی اس پر یقین ہے کہ جب رائے بدلے گی تو اعلان کردے گا۔

تحریکات کے زمانہ میں بعض لوگوں نے اختلاف کی حدود کو بھی پار کردیا تھا، شور وغوغا اور سبّ وشتم میں کوئی کسر اٹھا نہ رکھی؛ مگر حضرت تھانوی رحمہ اللہ نے کبھی کوئی حرفِ ناشائستہ زبان سے نہیں نکالا، ہمیشہ صبر وضبط ہی سے کام لیا؛ البتہ الزام وبہتان سے متعلق خانقاہ سے نکلنے والے ماہنامہ کے ذریعہ طالبانِ حق کو صحیح صورتِ حال سے آگاہ ضرور کرادیتے۔

مثلاً تحریک خلافتِ کے دَوران بعض لوگوں نے یہ مشہور کردیا کہ مولانا تھانویؒ اپنے استاد مولانا محمود حسنؒ کے مخالف ہوگئے، مولانا تھانویؒ کو جب اس افواہ کا علم ہوا تو آپ نے اس کی پُرزور تردید کرتے ہوئے، اپنے رسالہ ''النور'' میں لکھا''۔

اللہ تعالیٰ کو علم ہے کہ یہ تمام باتیں غلط ہیں۔ نہ حضرت اقدس سے مجھے یا میرے کسی متعلق کو مخالفت ہے۔ نہ میں حضرت کا نعوذ باللہ مخالف ہوں؛ بلکہ جس قدر محبت وعظمت حضرت اقدس کی میرے دل میں ہے اس کو خدا بہتر جانتا ہے، مجھ پر حضرت کی مخالفت کا الزام سراسر بہتان ہے۔

ایک سال مولانا محمود حسن حج کے لیے تشریف لے گئے تو مولانا تھانوی رحمہ اللہ

کے متعلق یہ مشہور کیا گیا کہ آپ نے حدیث کا دَورہ شروع کرایا ہے۔ اس واقعہ سے یہ ظاہر کرنا مقصود تھا کہ مولانا تھانویؒ کو اس بات کا انتظار تھا کہ مولانا محمود حسن ہندوستان سے جائیں اور ہماری دکان چمکے، اس بے بنیاد تہمت تراشی پر افسوس کرتے ہوئے مولانا تھانویؒ نے فرمایا کہ اگر میں مولانا کے سامنے ہی شروع کر دیتا تو کون سا گناہ تھا؛ بلکہ حضرت مولانا ہی سب سے زیادہ خوش ہوتے۔ (الافاضات الیومیہ جلد چہارم)

تحریکِ خلافت کے دَوران مولانا شبیر احمد عثمانی نے مولانا تھانویؒ کو ایک خط لکھا کہ حضرت بڑی مشکل میں ہوں کیا کروں، بڑوں کے درمیان میں ہوں۔ اس پر مولانا تھانوی نے آپ کو لکھا کہ: ''مولانا محمود حسنؒ سب کے بڑے ہیں مولانا کے فرمانے پر عمل کرنا چاہیے، اگر میں تنہا ہوتا تو خود بھی حضرت کا ساتھ دیتا''۔ ایک مرتبہ فرمایا کہ: ''اگر مولانا محمود حسن مجھ کو تحریک (خلافت) میں شریک ہونے کا حکم فرماتے تو چوں کہ میں چھوٹا تھا؛ اس لیے مجبور ہو جاتا؛ مگر حضرت کو کبھی خطرہ بھی نہیں ہوا''۔ (القول الجلیل:۷۶)

ایک مجلس میں فرمایا کہ: ''میں حضرت الاستاد شیخ العالم مولانا محمود حسن دیوبندی رحمہ اللہ کی حیات میں اپنے مسلک پر آزادی سے عمل کرتا تھا، اب حضرت شیخ کی وفات کے بعد سے دیکھ بھال کر عمل کرتا ہوں۔ وجہ اس کی یہ ہے کہ میں سمجھتا تھا کہ حضرت اختلاف کی حقیقت سے واقف ہیں، حضرت الاستاد کے قلب پر میرے اختلاف سے ذرّہ برابر بھی گرانی نہ تھی، میرا مسلک حضرت مولانا کے مسلک سے ظاہراً مختلف تھا، ڈھکا چھپا نہیں تھا؛ لیکن حضرت مولانا دیوبندی رحمہ اللہ ذرا بھی دلگیر نہیں ہوئے، بڑے اور چھوٹوں میں یہی فرق ہوتا ہے، مولانا کی عالی حوصلگی قابلِ دید ہے''۔ (الافاضات الیومیہ:ص۵۹، حصہ سوم)

بہر کیف! ہمارے بزرگوں کو ہمیشہ ایسی باتوں سے اجتناب رہا ہے۔ ان حضرات کی زندگی سلف کا نمونہ تھی؛ مگر آج کل وہ باتیں پُرانی اور دقیانوسی خیال کی جاتی ہیں۔

حضرت تھانویؒ کے نزدیک شیخ العالم کو شیخ الہند کہنا حضرت مولانا کی تنقیص تھی۔

ایک مجلس میں فرمایا کہ: حضرت مولانا کی ذات بڑی عجیب ہے۔ان مدعیانِ محبت نے ہمارے حضرت کی شان کو پہچانا ہی نہیں مجھے تو اس پر افسوس ہے کہ اپنی جماعت کے لوگ بھی بڑے فخر سے شیخ الہند کہتے ہیں۔ مجھے تو بہت برا معلوم ہوتا ہے۔اس کی مثال بالکل ایسی ہے کہ کوئی وائسرائے کو کانسٹبل کہے۔ایک مرتبہ بڑے جوش سے فرمایا:

''تم بڑے فخر سے حضرت الاستاد کو کہتے ہو کہ (اسیر مالٹا) تھے۔ارے
ہم کہتے ہیں کہ (امیر مالٹا) تھے۔
تم کہتے ہو کہ (شیخ الہند) تھے،ہم کہتے ہیں کہ (شیخ العالم) تھے۔

بتاؤ تو اب مولانا کا زیادہ معتقد کون ہے؟ (ملفوظات حکیم الامت: ج ۱/ص ۱۰۶)

افواہوں کی تردید

سید محمود حسن وحید آبادی مدظلہٗ

حضرت حکیم الامت کا موقف حضرت شیخ الہند قدس سرہٗ سے پورے ادب واحترام اور حسنِ عقیدت کے ساتھ مختلف تھا؛ مگر یہ اختلاف نہ دینی حیثیت سے مضر تھا اور نہ اس کو مخالفت کہا جاسکتا ہے؛ لیکن بعض نادان؛ بزرگوں پر کیچڑ اُچھالتے اور بے بنیاد اتہامات لگاتے اور اسی پر بس نہیں؛ بلکہ مختلف طریقوں سے افواہیں پھیلاتے ،جس کی وجہ سے عوام میں طرح طرح کی بدگمانیاں پھیل رہی تھیں اور اس سے ان کے دین کو صدمہ پہنچ رہا تھا، جب حضرت شیخ الہند رحمہ اللہ کو ان افواہوں کی اطلاع ہوئی تو بہت افسوس کا اظہار فرمایا۔

ذیل کی مکاتبت سے اس کا اندازہ کیا جاسکتا ہے کہ حضرت شیخ الہند رحمہ اللہ کے قلبِ مبارک میں حضرت اقدس حکیم الامت مولانا اشرف علی صاحب تھانویؒ اور حضرت اقدس مولانا خلیل احمد صاحب سہارنپوریؒ کی دینی عظمت کا کس قدر گہرا اثر تھا اور ان برگزیدگانِ حق سبحانہٗ وتعالیٰ کی بدگوئی اور بدزبانی کو کس قدر بُرا جانتے اور قابلِ نفرت سمجھتے تھے۔

مولوی خلیل الرحمٰن صاحب سیوہاروی کا خط
اور حضرت شیخ الہندؒ کا جواب ذیل میں منقول ہے

سوال مولوی خلیل الرحمٰن صاحب سیوہاروی

مولوی خلیل الرحمٰن صاحب سیوہاروی نے حضرت دیوبندی رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت بابرکت میں شروع ذی قعدہ ۱۳۳۸ھ میں ایک عریضہ اِس مضمون کا ارسال کیا تھا کہ:

''بعض حضرات حضرت تھانوی اور حضرت سہارنپوری کے متعلق ناشائستہ الفاظ استعمال کرتے ہیں، کوئی منافق بتلاتا ہے، کوئی خفیہ پولیس کہتا ہے کہ ان حضرات کو امداد ملتی ہے اور یہ سرکاری آدمی ہیں۔ **نعوباللّٰہ تعالیٰ منہ وَمِنْ سُوْٓءِ الظَّنِّ**''۔(۱)

اور یہ بھی تحریر کیا تھا کہ: ''اگر اجازت ہوگی تو حضور والا کے جواب کو طبع کراؤں گا'' نیز یہ بھی درخواست کی تھی کہ ''جواب دست مبارک سے تحریر فرمایا جائے''۔

چناں چہ حضرت رحمہ اللہ نے اپنے دستِ مبارک سے جواب تحریر فرمایا جو بلفظہٖ منقول ہے۔

جواب حضرت اقدس مولانا محمود حسن صاحب قدس سرہٗ

''السلام علیکم ورحمۃ اللہ۔ آپ کا خط پہنچا، سخت تحیّر ہوا۔ میری سمجھ میں ہرگز نہیں آتا کہ کوئی مسلمان جو اِن حضرات کو جانتا بھی ہو وہ ان کی شان میں وہ الفاظ بجنسہٖ استعمال کرے جو آپ کے قلم سے نکلے ہیں اور اسی کے ساتھ اِس کا تعجب ہے کہ آپ نے ایسے ناپاک اور بے ہودہ لفظوں کو کیسے نقل کیا اور بصورتِ فتویٰ اُن کے جوابات کی اشاعت کا کیسے تہیہ کیا۔ بالفرض کسی نے (ایک نے یا دو نے) یہ کلمات خبیثہ کہہ کر اپنی عاقبت خراب

(۱) اشرف السوانح حصہ سوم، صفحہ: ۱۶۷ تا ۱۶۹، ۱۸۶ (نظر ثانی)۔

بھی کی تو کیا یہ کلمات اِس قابل ہیں کہ کوئی سمجھ داران بزرگوں کا معتقدان جھوٹے اور گندے لفظوں کو طبع کرا کر اوراُن کے متعلق فتویٰ مرتب کر کے علی العموم سب تک پہنچانے میں سعی کرے اَلْعَیَاذُ بِاللّٰہِ الْعَظِیْمِ نَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطَانِ الرَّجِیْمِ اللہ تعالیٰ رحم فرمائے اور ہم کو سمجھ دے۔

میں آپ کی عنایات سے اُمید کرتا ہوں کہ آئندہ آپ ایسے اُمور سے احقر کو معاف رکھیں گے جن کے سننے کی مجھ کو ہمت نہیں اور جن کا سننا موجب، اضطراب وقلق کا ہوتا ہے اور بالفرض اگر آپ نے احقر کی امید کے خلاف کیا تو جواب کی توقع نہ فرمائیے۔''

(دستخط)

بندہ محمود عفی عنہ۔ دیوبند ۶ ر ذیقعدہ ۱۳۳۸ھ

اِس کرامت نامہ کے صادر ہونے کے بعد مولوی خلیل الرحمٰن صاحب سیوہاروی نے معذرت کا عریضہ ارسال کیا جس کا جواب حضرت نوراللہ مرقدہٗ کے دستِ مبارک کا تحریر فرمودہ صادر ہوا جو مُلَخَّصاً درج ذیل ہے:

''مکرم بندہ سلّمکم اللہ۔ السلام علیکم ورحمۃ اللہ

آپ کا عنایت نامہ وصول ہوا۔ مکرما! عوام کی عقیدت وعدم عقیدت اُن کے خیالات کی مُوافقت پر مبنی ہے وبس؛ اس لیے اُن کی عقیدت اور عدمِ عقیدت دونوں قابلِ اعتبار نہیں۔ باقی بندہ نہ پہلے آپ سے ناخوش تھا اور نہ اب ناخوش ہے۔''

حضرت الاستاد کی شفقت وتواضع کے چند نمونے

حضرت شیخ العالم کس پائے کی شخصیت، کس مقام پر فائز کیا اُن کا مرتبہ، اس کے باوجود تواضع کا یہ عالم کہ مکہ معظّمہ سے اپنے شاگرد حضرت تھانویؒ کو خط تحریر فرمایا تو سرنامہ پر یہ الفاظ تھے:

''سراپا فضل وکمال شرفکم اللّٰہ تعالیٰ و جعلکم فوق کثیر من الناس''۔

دیوبند سے حضرت شیخ الہند رحمہ اللہ کا خط آیا شروع خط میں یہ القاب تھے:

معدنِ حسنات وخیرات دام ظلکم۔

(حضرت مولانا کے مذاق وتواضع شفقت پر دلالت کے لیے یہ دووالا نامے بھی شاہد عدل سے کم نہیں) ۱۲

جب حضرت تھانویؒ نے مدرسہ جامع العلوم کانپور کے جلسۂ دستار بندی کے موقع پر جہاں حضرت مولانا کو شرکت کے لیے تکلیف دی گئی تھی وعظ فرمانے کی درخواست کی تو حضرت مولاناؒ نے بغایت تواضع اس عنوان سے عذر فرمایا کہ ''یہ ہرگز مناسب نہیں اس میں تمہاری ذلت ہوگی کہ ان کے استاد ایسے ہیں اور تمہاری جو شہرت ہے اس میں فرق آنے کا اندیشہ ہے؛ لہٰذا مجھ سے وعظ کہلوانا خلافِ مصلحت ہے اھ۔ پھر جب حضرت والا نے بیحد اصرار فرمایا تب وعظ کے لیے راضی ہوئے۔

ایک مرتبہ حضرت مولانا محمود حسن دیوبندی نے اپنے ایک سرفراز نامہ میں حضرت والا کے لیے القاب میں ''مخدوم ومکرم'' کے الفاظ لکھے تھے، حضرت تھانویؒ بے حد شرمندہ ہوئے اور ایک عریضہ میں اپنی اس خجلت کو ظاہر کر کے درخواست کی کہ ایسے الفاظ تحریر نہ فرمائے جایا کریں؛ لیکن اس کے بعد جو والا نامہ آیا پھر اس میں بھی وہی الفاظ تھے۔ حضرت والاؒ نے فرمایا کہ: ''میری درخواست منظور نہ ہونے سے معلوم ہوا کہ حضرت کو اسی میں راحت ہے، گو مجھ کو کلفت ہے؛ مگر حضرت کی راحت کو اپنی راحت پر مقدم سمجھتا ہوں، اب جو مرضی ہو اختیار فرمایا جائے، میں گوارا کروں گا''۔

حضرت حکیم الامت مایۂ ناز شاگرد تو تھے ہی، مزید انس ومحبت اور پاس ولحاظ کی ایک وجہ یہ بھی ہوسکتی ہے کہ حضرت تھانویؒ حضرت حاجی صاحب کے براہِ راست تربیت یافتہ اور مجازِ بیعت تھے اور حضرت ملاّ محمودؒ اور مولانا محمد یعقوب نانوتویؒ سے تلمذ کا شرف تو

دونوں ہی اکابر کو تھا، غایتِ تواضع سے ان نسبتوں کو بھی ملحوظ رکھا جاتا ہوگا۔ (واللہ اعلم)

مندرجہ بالا واقعات اس بات کا واضح ثبوت ہیں کہ استاد شاگرد میں باہمی محبت وشفقت، ایک دوسرے کا پاس ولحاظ اور ادب واحترام کس درجہ تھا، اس سے آپس کے تعلق جذبات واحساسات کا اندازہ لگانا مشکل نہیں۔

بہرکیف! استادِ محترم جامع شریعت اور طریقت تھے علم میں بقول حضرت گنگوہیؒ ''علم کا کٹھلہ تھے''، آپ کے شاگرد رشید حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ آپ کو ''شیخ العالم'' کہتے تھے، مولانا عاشق الٰہی میرٹھیؒ آپ کو ''شریعت وطریقت'' کا بادشاہ کہتے تھے اور شیخ الاسلام مولانا حسین احمد مدنیؒ وعلامہ شبیر احمد عثمانیؒ ''علمِ شریعت اور طریقت کا ناپیدا کنار سمندر'' کہتے تھے۔

عرصہ سے خواہش تھی کہ ''ذکرِ محمود'' دوبارہ طبع ہو، حضرت الاستاد کے واقعات اور بیش قیمت علوم ومعارف اور کلمات حکمت جو حضرت حکیم الامت مولانا تھانوی نے مختلف مجالس میں کثرت سے بیان فرمائے اور وہ ملفوظات میں جگہ جگہ مذکور ہیں، اُن سب افادات کو ترتیب دے کر ''ذکرِ محمود'' کے ساتھ شامل کرکے شائع کیا جائے؛ نیز حضرت علامہ ظفر احمد تھانوی نے ''ذکرِ محمود کا ضمیمہ'' بھی ''النور'' میں شائع کیا تھا، وہ بھی ترجمہ کے ساتھ مع عربی قصیدہ کے ملحق کردیا جائے؛ چناں چہ چند ماہ کی محنت سے یہ کام پایۂ تکمیل کو پہونچا۔ **فللّٰہ الحمد**

حق تعالیٰ اس کو قبول ومقبول فرمائیں قارئین کے لیے نفع بخش؛ نیز استاد شاگرد کے لیے بلندی درجات کا زینہ بنائے آمین

سیّد حذیفہ نجم تھانوی

پنج شنبہ ۲۰/ جمادی الثانی ۱۴۴۵ھ

❑❖❑

احوال وسوانح

شیخ العَالَم

حضرت مولانا محمود حسن دیوبندیؒ

سید حذیفہ نجم تھانوی

شیخ الہند حضرت مولانا محمود حسن صاحب دیوبندی رحمۃ اللہ علیہ بھی حضرت کے اساتذۂ خاص میں سے تھے، جن سے حضرت نے طالبِ علمی کے زمانے میں بہت سی کتابیں پڑھیں، پہلے حضرت دارالعلوم دیوبند میں مدرس رابع تھے، پھر ترقی کر کے مدرس اوّل ہو گئے، یہ حضرت مولانا محمد قاسم صاحب نانوتویؒ کے شاگرد رشید اور حضرت مولانا رشید احمد صاحبؒ کے خلیفۂ خاص تھے۔ حضرت شیخ الہند کا سلسلہ نسب حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ سے جاملتا ہے۔

ولادت باسعادت

۱۲۶۸ھ مطابق ۱۸۵۱ء کو بریلی میں پیدا ہوئے؛ کیوں کہ ان ایام میں آپ کے والد ماجد مولانا ذوالفقار علی صاحب بریلی میں انسپکٹر مدارس تھے وہ ایک جید عالم اور صاحب تصانیف کثیرہ اور باقبال بزرگ تھے۔

تعلیم وتربیت

آپ کی تعلیم کا آغاز چھ سال کی عمر میں ہوا۔ ایک بزرگ مولانا منگلوری سے قرآن مجید

پڑھا اور فارسی کی ابتدائی کتابیں مولانا عبد اللطیف سے پڑھیں، اور اپنے تایا جان مولانا مہتاب علی صاحب سے ان کے گھریلو مدرسہ میں ابھی آپ قدوری تہذیب وغیرہ ہی پڑھ رہے تھے کہ حجۃ الاسلام مولانا محمد قاسم صاحب نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ نے دیوبند میں ایک مدرسہ ۱۵ر محرم الحرام ۱۲۸۳ھ ۱۸۶۶ء کو قائم کیا اس مدرسہ کا آغاز دیوبند کی مشہور (مسجد چھتہ) میں ہوا۔ آپ اس مدرسہ کے پہلے طالبِ علم تھے۔ ۱۲۸۴ھ میں آپ نے کنز اور مختصر المعانی کا امتحان دیا، آئندہ سال مشکوٰۃ، ہدایہ پڑھی، اور ۱۲۸۶ھ میں کتب صحاحِ ستہ کی تکمیل کی اور فارغ التحصیل ہوئے، ۱۹ر ذیقعدہ ۱۲۹۰ھ میں آپ کے دستارِ فضیلت باندھی گئی، حدیث میں مولانا محمد قاسم نانوتویؒ، مولانا محمد یعقوب نانوتویؒ کے علاوہ قطب الارشاد مولانا رشید احمد گنگوہی اور مولانا شاہ عبد الغنی دہلویؒ سے بھی اجازت حاصل ہے۔ (شیخ الہند حیات وکارنامے)

درس وتدریس

آپ کو فارغ التحصیل ہونے سے پہلے ہی ۱۲۸۸ھ میں دار العلوم دیوبند کا معین مدرس بنایا گیا تھا، اُس وقت ابتدائی کتب آپ کے سپرد کی گئیں؛ لیکن رفتہ رفتہ آپ کی علمی استعداد اور ذہانت ظاہر ہونے لگی اور اوپر کی کتابیں بھی پڑھانے کے مواقع ملتے گئے۔ ۱۲۹۳ھ میں آپ نے ترمذی شریف، مشکاۃ شریف اور ہدایہ وغیرہ کی تدریس شروع کی پھر ۱۲۹۵ھ میں مسلم شریف اور بخاری شریف بھی پڑھانے لگے۔ آپ کا حلقۂ درس نہایت مہذب اور شائستہ ہوتا تھا، دوسرے مدارس کے فارغ شدہ اور بڑے بڑے ذہین طالبِ علم نہایت مؤدب طریقہ سے حاضر خدمت رہتے اور آپ کمالِ عزت ووقار سے درس دیتے، حلقۂ درس دیکھ کر سلفِ صالحین واکابر محدثین کے حلقۂ حدیث کا نقشہ نظروں میں پھر جاتا تھا، الحاصل آپ نے چالیس سال تک مسلسل دار العلوم دیوبند میں درسِ حدیث دیا اور زمانۂ اسیری مالٹا اور مکہ معظّمہ اور مدینہ منورہ میں بھی درس دیا اس طرح آپ کا زمانۂ تدریس چوالیس سال سے زائد ہوتا ہے اس عرصہ میں اطراف واکنافِ

عالم میں آپ کے تلامذہ پھیل گئے، جن کی تعداد ہزاروں سے متجاوز ہے آپ کے ممتاز تلامذہ میں حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانوی رحمہ اللہ، حضرت علامہ محمد انور شاہ کشمیریؒ، علامہ شبیر احمد عثمانیؒ، مولانا حسین احمد مدنیؒ، مفتی کفایت اللہ دہلویؒ، مولانا سید اصغر حسین میاں دیوبندیؒ، مولانا عبید اللہ سندھیؒ، مولانا اعزاز علی دیوبندیؒ، مولانا حبیب الرحمٰن عثمانی اور مولانا عبد السمیع دیوبندیؒ جیسے مشاہیر علم وفضل شامل رہے۔

حضرت حکیم الامتؒ کو اپنے ان استاد سے بڑی عقیدت ومحبت تھی اکثر وبیشتر ان کا ذکرِ خیر فرماتے رہتے تھے؛ بلکہ آپ نے ان کے کمالاتِ عملیہ پر ایک رسالہ ''ذکرِ محمود'' کے نام سے تصنیف فرما کر شائع کیا تھا۔

سلوک وتصوف

حضرت مولاناؒ نے اوّل حجۃ الاسلام حضرت نانوتوی قدس سرہٗ سے سلوک حاصل کیا اور تکمیل امامِ ربّانی حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ کے آستانے پر ہوئی اور حضرت نے آپ کو خلعتِ اجازت وخلافت عطا فرمائی؛ چناں چہ آپ کی نسبت میں دونوں رنگ موجود تھے۔

مکہ مکرمہ میں حاضری پر سید الطائفہ حضرت حاجی امداد اللہ مہاجر مکی قدس سرہٗ نے بھی آپ کے احوال پر مطلع ہوکر اظہارِ مسرت فرمایا، اور تکمیلِ سلوک کی تائید وتوثیق کے ساتھ دستار عطا کی۔

تحریک ریشمی رومال

اس تحریک کے ذریعے آپ برطانوی حکومت کا تختہ اُلٹنا چاہتے تھے؛ مگر افسوس مخالفوں کی مخبری پر یہ خطوط پکڑ لیے گئے جس کے سبب آپ کو مع رفقاء، مالٹا جیل میں عرصہ پانچ سال تک مصائب برداشت کرنا پڑے۔ (معارف الاکابر)

۱۳۳۸ھ کو وہاں سے رِہا ہوئے اور ہندوستان پہنچے۔ بہرحال آپ کی علمی وروحانی

خدمات بہت ہیں اس کے علاوہ سیاسی خدمات بھی تاریخ کا ایک اہم باب ہیں، انگریزوں کے خلاف ۱۸۵۷ء میں شروع کی گئی تحریکِ آزادی کے مشن کو آپ نے کافی بڑھایا، آپ نے تحریک کا مرکز کابل کو بنایا اور آپ کی تحریک ''ریشمی رومال'' کے نام سے مشہور ہے، آپ بھی کئی دوسرے مسلم اکابرین کی طرح عسکری بنیادوں پر مسلمانوں کو منظّم کر کے انگریزوں کے خلاف جہاد کرنا چاہتے تھے؛ لیکن اپنوں کی سازشوں اور ریشہ دوانیوں سے انگریزوں کے خلاف یہ تحریک بھی کامیاب نہ ہوسکی؛ لیکن اس نے ہندوپاک کے مسلمانوں میں بیداری کی نئی روح پھونک دی۔ اس سلسلے میں آپ نے ۱۳۳۳ھ میں حجازِ مقدس کا سفر کیا، ۱۳۳۴ھ تک وہاں رہے، ۱۳۳۵ھ کے آغاز میں آپ کو گرفتار کر کے مالٹا پہنچادیا گیا۔

اِس دَوران ان دنوں ہندوستان میں تحریکِ خلافت کا زور تھا، آپ نے عمر کی زیادتی، نقاہت اور بیماری کے باوجود بھرپور حصہ لیا۔ مالٹا کی اسیری کے دَوران ہی آپ زیادہ بیمار ہوگئے وطن واپسی پر بیماری میں افاقہ نہ ہوا، بیماری کے باوجود تحریک خلافت میں آپ کی بھرپور جدوجہد اور مشقت سے صحت پر کافی اثر پڑا۔

وصال مبارک

اور ۱۸ربیع الاول ۱۳۳۹ھ کو دیوبند میں رحلت فرمائی اور دیوبند کے معروف قبرستان مزارِقاسمی میں مدفون ہیں۔ آپ نے درس وتدریس اور مشاغل سیاسی کے باوجود کئی کتب تصانیف فرمائی ہیں۔ اللہ تعالیٰ آپ پر اپنی رحمتیں نازل فرمائے۔ آمین

(تفصیل کے لیے حضرت شیخ الہند حیات اور کارنامے کا مطالعہ کیجیے)

تصانیف

سیاسی مشاغل اور درس وتدریس کے علاوہ مالٹا جیل میں قرآن مجید کا مکمل ترجمہ تحریر فرمایا اور سورۂ مائدہ تک تفسیر بھی لکھی جس کی تاریخ بھی خود یہ نکالی ۔

یادگارِ شہ عبد القادر ❖ ترجمہ موضع قرآن مجید
وہ کہ آں معدن صد خوبی را ❖ کرد ترمیم افل العبید
بے شش وپنج بگفتہ محمود ❖ سال او موضع فرقان حمید
۱۳۳۶ھ

اس کے علاوہ: ’’تراجمِ ابوابِ بخاری، حاشیہ ابوداؤد شریف، حاشیہ مختصر المعانی، تقریر ترمذی، ایضاح الادلہ اور شرح **أوثق الهدیٰ في تحقیق الجمعة في القریٰ**‘‘ بھی تحریر فرمائیں۔

سید حذیفہ نجم تھانوی

صاحبِ حل القرآن مفتاح مثنوی جامع فضائل علمیہ وعملیہ

مولوی حبیب احمد علوی کیرانوی

محقق معتمد ومعاونِ خصوصی

حکیم الامت مجدد الملت حضرت مولانا اشرف علی تھانوی نور اللہ مرقدہ

حسبِ ایماء

رہنمائے حق حضرت مولانا مفتی عبد القدوس خبیب رومی مدظلہ

صدر مفتی مدرسہ عربیہ مظاہر علوم سہارنپور ومفتی شہر آگرہ

جمع وترتیب

سید حذیفہ نجم تھانوی

افاداتِ حکیم الامتؒ

ذکرِ محمود از محمد شد حسن.....حامد حق محسن اہل زمن

ذکرِ محمود

افادات

حکیم الامت مجدد الملت

حضرت مولانا اشرف علی تھانوی نور اللہ مرقدہٗ

ادارہ تالیفاتِ اشرفیہ تھانہ بھون شاملی

بسم اللّٰہ الرحمٰن الرحیم

ذِکرِ محمود

حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانوی قدس سرہٗ

ذکرِ محمود[۱] از محمد شد حسن
حامدِ حق محسنِ اہلِ زمن

خطبہ:

بعد حمد وصلاۃ مجھ سے میرے بعض اعزّہ[۲] نے فرمائش کی کہ کچھ مختصر تذکرہ امام العلماء، مقدامُ العرفاء، اُستاذی حضرت مولانا محمود حسن صاحب رحمہ اللّٰہ تعالیٰ رحمۃً واسعۃً کا لکھ دُوں۔ میں نے کافی واقعات وحالات پر محیط نہ ہونے کا عذر کیا۔ عزیز موصوف نے کہا: جیسا ''یادِ یاراں'' میں حضرت مولانا گنگوہی قدس سرہٗ کے بعض متفرق ومختصر واقعات بہت ہی قلیل مقدار میں لکھ دیے ہیں اسی انداز پر لکھ دیا جائے، پھر ہم لوگ اُس کے ساتھ خود منضم کرلیں گے؛ چوں کہ اس مقدار اور اس طرز میں لکھنے سے کوئی عذر نہ تھا، اور مقبولین کے تذکرے کا موجبِ برکت وسعادت ہونا معلوم ومسلم ہے؛

(۱) یعنی ذکر مولانا (محمود حسن) کا، سید العالم محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے تعلق سے (کہ مولاناؒ کو مثل جمیع مقبولین کے حضور سے حاصل ہے) حسن ہوگیا، اور مصرعۂ ثانیہ میں حامد اور محسن مع اپنے قیود کی صفتیں ہیں، محمود واقع مصرعۂ اولیٰ کی اور معنی ظاہر ہیں، اور دونوں مصرعے مولاناؒ کے نام کی تصریح اور آپ کے تینوں بھائیوں کے ناموں کی طرف اشارہ پر مشتمل ہیں۔ (اشرف)

(۲) المراد به ابن اختي المولوی ظفر أحمد جعله اللّٰه کمایحب ویرضٰی. (اشرف)

اس لیے بہ نامِ خدا یہ چند سطریں لکھتا ہوں اور اس کا لقب ''ذِکرِ محمود'' تجویز کرتا ہوں، جس کی دونوں ترکیبیں ہوسکتی ہیں، خواہ موصوف وصفت کہیے۔

خواہ مضاف ومضاف الیہ، اور اوّل اَولیٰ ہے مع اشارے کے ثانی کی طرف۔ وَاللّٰہُ الْھَادِیُ إِلَی الصَّوَابِ وَھُوَ الْمُیَسِّرُ لِکُلِّ صِعَابٍ ۔اور اس کے اجزا کو مع قیدِ عدد بہ عنوان ''ذِکر'' تعبیر کروں گا۔

اذکار

ذکر نمبر (۱) پہلی زیارت

سب سے پہلے جو حضرت رحمۃ اللہ علیہ کی زیارت وصحبت سے مشرف ہوا وہ زمانہ تھا جس میں تحصیلِ درسیات کے لیے دیوبند کے مدرسۂ عالیہ میں حاضر ہوا، اور من جملہ اسباقِ مجوزہ کے مُلّا حسن اور مختصر معانی کا سبق مولاناؒ کے متعلق ہوا۔ یہ زمانہ ۱۲۹۵ھ (۱۸۷۸ء) کا اَخیر تھا، یعنی ذی قعدہ کا مہینہ تھا۔ مولاناؒ اُس وقت مدرّسِ رابع تھے، اور مدرّسِ اوّل حضرت مولانا محمد یعقوب صاحب اور مدرّسِ دوم حضرت مولانا سید احمد صاحب اور مدرّسِ سوم حضرت مولانا محمود صاحب تھے، رحِمہم اللہ رحمۃً واسعۃً!

ذکر نمبر (۲) حضرت نانوتویؒ کی خدمت

مولاناؒ اس وقت بالکل جوان تھے اور لباس بہت نفیس پہنتے تھے، اور بندوق سے شکار کا مشغلہ بھی بہ کثرت فرماتے تھے۔ حضرت مولانا قاسم العلوم قدس سرہٗ بھی دیوبند تشریف فرما تھے، مدرسہ آپ کی سرپرستی میں تھا، درس سے فارغ ہوکر زیادہ وقت حضرت قدس سرہٗ کی خدمت میں صَرف فرماتے تھے۔

ذکر نمبر (۳) تقریر میں سلاست و اِرتباط

مولاناؒ کی ذہانت اور فطانت تو خداداد فطری تھی ہی، اس پر شباب کے رنگ نے سونے پر سہاگہ کا کام دے رکھا تھا۔ اس قدر تیزی تھی کہ سبق شروع ہونے کے وقت جس جگہ نشست ہوتی تھی ختم ہونے تک اس جگہ سے بہت آگے بڑھ آتے تھے؛ مگر تقریر میں باوجود تیزی و روانی کے سلاست اور اِرتباط اور ترتیب اس درجے تھی کہ مفہوم کتاب کا آئینہ ہو جاتا تھا۔

ذکر نمبر (۴) نفسِ مطلب پر اِکتفا

عادتِ شریفہ تقریرِ کتاب میں یہ تھی کہ اکثر نفسِ مطلب پر اِکتفا فرماتے تھے، جس کا نتیجہ کتاب کا جلدی نکلنا، کتاب سے طالبِ علم کو کامل مناسبت اور اس سے کامل اِستعداد ہو جانا تھا۔ حسن و اجازت و وضاحتِ تقریر میں مولاناؒ کا ثانی غالبًا اب تک بھی ذہن میں نہیں ہے۔ ذٰلِکَ فَضْلُ اللّٰہِ یُؤْتِیْہِ مَنْ یَّشَآءُ!

ذکر نمبر (۵) اسباق میں کیفیات

مُتَعَسِّفَانَہٗ سوال کے مقابلے میں اِلزامی مُسکِت جواب تو ایسا ہوتا تھا کہ طالبِ علم منہ تک کے نقشِ دیوار کی طرح رہ جاتا تھا، اور اکثر ایسے جواب میں ایک لطیف مگر چبھتا ہوا مزاح بھی شامل ہوتا تھا، جو اِنتہا کی تہذیب کے ساتھ نفس کا پورا معالجہ ہوتا تھا۔

ذکر نمبر (۶)

مذکورہ اسباق کے سلسلے میں احقر کے اسباق، فراغِ درسیات تک مولاناؒ کی خدمت میں رہے۔ معقولات میں: ''حمداللہ، میر زاہد رسالہ، میر زاہد مُلا جلال'' اور حدیث میں متعدد کتب جن کی تفصیل (رسالہ سبع سیارہ) میں ہے، اور فقہ میں ہدایہ آخرین تو اس وقت مولاناؒ سے پڑھنا یاد ہے، باقی شاید سوچنے سے یاد آجائے۔

ذکر نمبر (۷)

معمول یہ تھا کہ جب طالبِ علم عبارت پڑھ چکتا تو لمبی سے لمبی عبارت کا نہایت مختصر اور جامع خلاصہ ایسا بیان فرما دیتے کہ پھر طالبِ علم کو اس کی تفصیل کو سمجھ لینا آسان سے زیادہ آسان ہو جاتا۔ گویا اس تفصیل کا اس اِجمال پر منطبق کرنا ہی رہ جاتا اور مطلب سمجھنے میں ذرّہ برابر گنجلک نہ رہتی۔ یہ بھی من جملہ کمالاتِ خاصہ تھا۔

ذکر نمبر (۸)

معمول مذکور نمبر ے کی یہ برکت تھی کہ کتابیں اس طرح جلد جلد ختم ہوتی تھیں، جیسے کوئی مشین میں ڈھالتا ہو، حتیٰ کہ ہدایہ آخرین کا ایک معتد بہ حصہ بلا ترجمہ ہی نہایت سہولت سے پڑھنا یاد ہے۔

ذکر نمبر (۹)

حدیث میں گاہ گاہ تلامذہ کی درخواست پر خود بھی عبارت پڑھتے، جس کی روانی اور مفہم لہجے کا لطف مشاہدے ہی سے معلوم ہوسکتا ہے، اور خوبی یہ ہے کہ درمیان درمیان ایسے وقفاتِ لطیفہ بھی ہوتے تھے کہ جس کا دِل چاہے اپنے شبہات وسوالات اطمینان سے حل کر سکے۔ اس حالت کے جوابات میں ایک خاص اِختصار اور اِسکات کی شان ہوتی تھی۔

ذکر نمبر (۱۰) مناظرہ

احقر کو زمانۂ طالبِ علمی میں ہر فرقے کے ساتھ مناظرہ کرنے سے ایک خاص دِلچسپی تھی، جیسی اب اس سے اسی درجے نفرت ووحشت بھی ہے۔ دیوبند میں ایک بار عیسائی منادیوں کا ایسا سلسلہ لگا کہ مسلسل یکے بعد دیگرے آتے اور بازار میں تقریریں کرتے، احقر سنتے ہی پہنچتا اور گفتگو کرتا۔ ایک بار ایک بڑا پادری جو یورپین تھا، زیادہ مجمع

وسامان کے ساتھ آیا اور ایک باغ متصل اسٹیشن میں خیمے نصب کر کے ٹھہرا۔ احقر مع چند طلبا کے وہاں پہنچا اور اس سے گفتگو شروع کی۔ کسی نے حضرت مولاناؒ کو خبر پہنچادی۔ اس شفقت کی کچھ حد ہے کہ صرف یہ خیال کر کے کہ کم عمر اور ناتجربہ کار ہے، کبھی مرعوب نہ ہوجائے، خود اس باغ میں تشریف لائے اور مجھ کو ہٹا کر خود گفتگو شروع فرمائی۔ اس نے نام پوچھا، آپ نے فرمایا: ننھا! وہ معمولی آدمی سمجھ کر گفتگو کے لیے تیار ہوگیا۔ مجھ کو خوب یاد ہے کہ اس گفتگو میں یہ بھی تھا کہ اس نے کہا: عیسیٰ علیہ السلام کلمۃ اللہ ہیں۔ مولاناؒ نے اس کی تفسیر پوچھی، تو وہ نہ بتلا سکا۔ اس میں مزاحاً یہ سوال بھی فرمایا کہ کلمے کے یہ اقسام ہیں، پھر ان اقسام کے یہ اقسام ہیں، عیسیٰ علیہ السلام ان میں سے کلمے کی کون (سی) قسم تھے؟ تو وہ منہ دیکھ رہا تھا اور جواب میں پریشان تھا۔ آخر اس کی میم (عورت) نے یہ حالت معلوم کر کے ایک رُقعہ بھیج کر اس کو بلایا اور اس نے جان چھڑا کر چلے جانے کو غنیمت سمجھا۔ ہم سب لوگ خوش بہ خوش مدرسے واپس آئے۔

ذکر نمبر (۱۱) تصانیف اور ترجمۂ قرآن

اُسی زمانے میں مولاناؒ کو شغل تصنیف سے بھی دِلچسپی تھی؛ چناں چہ ''ادلۂ کاملہ'' کا جواب جو غیر مقلدین کی طرف سے موسوم بہ ''مصباح الادلہ'' لکھا گیا تھا، حضرت مولاناؒ نے اس کا جواب لکھا جو مطبوع بھی ہوگیا ہے، جس کا نام ''ایضاح الادلہ'' ہے۔ پھر مختلف زمانوں میں دوسرے رسائل بھی لکھے، جن میں دو اِس وقت یاد ہیں: ایک ''احسن القریٰ'' دوسرا ''جہد المقل''۔ جن کی حسن وخوبی دیکھنے سے تعلق رکھتی ہے، اور سب سے اَنفع واَرفع تصانیف میں قرآن مجید کا ترجمہ ہے جو اَخیر عمر میں لکھا گیا ہے۔ اس میں جن فوائد ولطائف کا اِلتزام واِہتمام فرمایا گیا ہے ان کی تحقیق وتفصیل اس کے مقدمے میں تحریر فرمائی گئی، جو میرے نزدیک وہ بجائے خود ایک مستقل رسالہ ہے۔ ایسا کہ اگر کوئی خاص صاحبِ علم مجموعہ ترجمے کو بھی نہ دیکھے تو خود اس مقدمے کو تو دیکھ لینا ضرور ہی ہے۔

ذکر نمبر (۱۲) تواضع

تواضع وخلوص کی صفت حق تعالیٰ نے ایک خاص ممتاز شان سے عطا فرمائی تھی، جس کے بعضے آثار یہ تھے جو یہاں سے نمبر ۲۲ تک مذکور ہیں۔

ذکر نمبر (۱۳)

تلامذہ کے ساتھ اس طرح اِختلاط واِرتباط واِنبساط رکھنا کہ دیکھنے والا کبھی نہ سمجھ سکے کہ یہ اس مجمع کے مخدوم ہیں۔

ذکر نمبر (۱۴)

بعضے خدام کے ساتھ جن میں کوئی خاص خصوصیت ہوتی، مثلاً: مولاناؒ کے کسی اُستاذ یا بزرگ کی اولاد میں سے ہونا، یا عوام مسلمین کے نزدیک معظم ہونا، وَنَحْوِ ذٰلِکَ اُن کے ساتھ ایسا برتاؤ کرنا جس سے اجنبی شخص کو شبہ ہو سکے خادم پر مخدوم ہونے کا۔ جب خدام کے ساتھ یہ معاملہ ہو تو مساوی یا بڑوں کے ساتھ معاملے کا اسی سے موازنہ کر لیا جائے۔

ذکر نمبر (۱۵)

کسی سے کسی خدمت کی فرمائش کرنے کی عادت نہ تھی؛ بلکہ اکثر مہمانوں کے لیے کھانا مکان سے اپنے ہاتھ میں لاتے اور خود کھلاتے۔

ذکر نمبر (۱۶) للّٰہیت

ایک بار احقر کی درخواست پر مدرسہ جامع العلوم کان پور کے جلسۂ دستار بندی میں رونق افروز ہوئے، اور اَحقر کے بے حد اِصرار پر وعظ فرمانے کا وعدہ فرمایا۔ جامع مسجد میں وعظ شروع ہوا، جناب مولانا لطف اللہ صاحب علی گڑھیؒ بھی کان پور تشریف لائے ہوئے تھے، میرے عرض کرنے پر جلسے میں تشریف لائے اور عین اثنائے وعظ میں

تشریف لائے۔ اس وقت ایک بڑا عالی مضمون بیان ہو رہا تھا، جس میں معقول کا ایک خاص رنگ تھا۔ ہم لوگ خوش ہوئے کہ ہمارے اکابر کی نسبت معقولات میں مہارت کم ہونے کا شبہ آج جاتا رہے گا اور سب دیکھ لیں گے کہ معقول کس کو کہتے ہیں؟ مولاناؒ کی جوں ہی مولانا علی گڑھیؒ پر نظر پڑی فوراً وعظ بیچ ہی میں قطع کر کے بیٹھ گئے۔

مولانا فخر الحسن صاحب گنگوہیؒ بہ وجہ ہم درس ہونے کے بے تکلف تھے، انہوں نے دوسرے وقت عرض کیا کہ ''یہ کیا کیا؟ یہی تو وقت تھا بیان کا''۔

فرمایا: ''ہاں! یہی خیال مجھ کو آیا تھا، اس لیے قطع کر دیا کہ یہ تو اِظہارِ علم کے لیے بیان ہوا نہ کہ اللہ کے واسطے'' سبحان اللہ! یہ ہیں حقیقی کمالات!

ذکر نمبر (۱۷) کسرِ نفسی

ثقات سے سنا ہے کہ ایک مرتبہ مراد آباد میں وعظ کی درخواست کی گئی، بہت کچھ عذر کے بعد منظور فرمایا اور بیان شروع ہوا۔ حدیث یہ تھی:

''فَقِيْهٌ وَاحِدٌ أَشَدُّ عَلَى الشَّيْطَانِ مِنْ أَلْفِ عَابِدٍ''

کے ترجمے کا حاصل ''بھاری'' لفظ سے فرمایا۔ مجلس میں ایک پُرانے عالم تھے جو ''محدث'' کے لقب سے معروف تھے، انہوں نے کھڑے ہو کر فرمایا:

''أَشَدُّ کا ترجمہ غلط کیا گیا، ایسے شخص کو وعظ کہنا جائز نہیں''۔

تو مولاناؒ بے ساختہ کیا فرماتے ہیں:

''حضرت! مجھ کو تو پہلے سے معلوم ہے کہ مجھ جیسے شخص کو وعظ کہنا جائز نہیں، اور میں نے ان صاحبوں سے اسی واسطے عذر بھی کیا تھا؛ مگر انہوں نے مانا نہیں، اب بہت اچھا ہوا حضرت کے اِرشاد سے بھی میرے عذر کی تائید ہو گئی اور بیان سے بچ گیا۔''

حاضرین کو تو جس قدر ناگواری ہوئی اس کا کچھ پوچھنا نہیں۔ دانت پیستے تھے کہ یہ کیا لغو حرکت تھی، گو مولاناؒ کے ادب سے کچھ بول نہ سکتے تھے؛ مگر مولاناؒ نے بجائے ناگوار سمجھنے کے یہ کمال کیا کہ نہایت سکون کے ساتھ ان کے پاس جا کر ان کے سامنے ادب سے بیٹھ کر نہایت نیازمندی کے لہجے میں ارشاد فرمایا:

''حضرت! غلطی کی وجہ معلوم ہو جائے تو آئندہ احتیاط رکھوں۔''

انہوں نے کڑک کر فرمایا:

''أَشَدُّ کا ترجمہ آپ نے اَثْقَل سے کیا، یہ کہیں منقول نہیں، اَضَرّ سے کرنا چاہیے''۔

مولاناؒ نے فرمایا:

''اگر کہیں منقول ہو تو؟''

انہوں نے کہا:

''کہاں ہے؟''

مولاناؒ نے فرمایا:

''حدیث وحی میں ہے: کسی نے پوچھا: كَيْفَ يَأْتِيكَ الْوَحِيُ؟ جواب میں ارشاد ہوا: يَأْتِينِي أَحْيَانًا مِثْلَ صَلْصَلَةِ الْجَرَسِ وَهُوَ أَشَدُّهُ عَلَيَّ اور ظاہر ہے کہ یہاں ''أَضرّ'' کے معنی ممکن نہیں، ''أَثْقَل'' ہی کے معنی صحیح ہو سکتے ہیں۔''

بس یہ سن کر ان کا تو رنگ فق ہو گیا؛ مگر مولاناؒ نے نہ کچھ اس پر فخر کیا نہ دوبارہ بیان شروع فرمایا؛ لیکن ان کی یہ ہمت نہ ہوئی کہ اپنی غلطی کا اعلان فرما دیں۔[1]

(۱) ''ذکرِ محمود''، مشمولہ ''تذکرۂ شیخ الہندؒ'' میں اس جگہ ڈاکٹر ابوسلمان شاہ جہان پوری نے جو حاشیہ لکھا ہے، وہ یہ ہے: اس ذکر (۱۷) میں جن بزرگ محدث کی طرف اشارہ ہے، وہ رام پور کے مشہور محدث مولانا محمد شاہ رام پوری ہیں، واقعے کی مزید تفصیل کے لیے دیکھیے: ''مقالاتِ عثمانی'' ج ۲، از مولانا ظفر احمد عثمانیؒ ص: ۳۷-۴۳۴)۔

وَذٰلِکَ فَضْلُ اللّٰہِ یُؤْتِیْہِ مَنْ یَّشَآءُ وَلَنِعْمَ مَا قِیْلَ:ؔ

نہ ہرکہ چہرہ بر افروخت دل بری داند
نہ ہر کہ آئینہ دارد سکندری داند
ہزار نکتۂ باریک تر زمو ایں جاست
نہ ہر کہ سر بتراشد قلندری داند

ذکرنمبر(۱۸) حضرت گنگوہیؒ سے اِجازت حدیث کی خواہش

یہ بھی بعض ثقات سے سنا ہے کہ حضرت مولاناؒ نے ارشاد فرمایا کہ بارہا حاضری گنگوہ کے وقت خیال ہوا کہ حضرت گنگوہی قدس سرہٗ سے حدیث کی اجازت کی درخواست کروں؛ مگر معاً ہی یہ خیال مانع آ گیا کہ اگر حضرت پوچھ بیٹھیں: ''تجھ کو آتا ہی کیا ہے جو حدیث کی سند مانگتا ہے؟'' تو کیا جواب دوں گا؟ بس یہ سوچ کر چپ رہ گیا، اللہ اکبر! کچھ حد ہے تواضع کی؟

ذکرنمبر(۱۹) نفاست پسندی اور سادگی

جیسے شباب میں لطافتِ مزاج کے سبب نفیس پوشش مرغوب تھی، اب غلبۂ تواضع کے سبب اس قدر سادہ لباس اور جوتا، اور سادی ہی وضع اِختیار فرمائی تھی جیسے مساکین کی وضع ہوتی ہے۔ وضع سے کوئی شخص یہ گمان نہ کرسکتا تھا کہ آپ کو کسی قسم کا بھی امتیازِ مالی، جاہی، علمی حاصل ہے۔ حال آں کہ ع

آں چہ خوباں ہمہ دارند تو تنہا داری!

ذکرنمبر(۲۰) اِمامت سے گریز

میں نے کبھی نہ دیکھا نہ سنا کہ آپؒ نے کبھی اِمامت فرمائی ہو۔

ذکر نمبر (۲۱) ہاں بھائی! یہ عیب تو میرے اندر بھی ہے

میرے سامنے کا قصہ ہے کہ مدرسۂ عالیہ دیوبند میں اہلِ علم کا ایک خاص جلسہ تھا، جس میں اس پر کلام ہو رہا تھا کہ آج کل طلبا اکثر بد اِستعداد کیوں ہوتے ہیں؟ اور سب متفقاً اس کا سبب طلبا کی کوتاہیوں کو بتلا رہے تھے۔ مثلاً: مطالعہ نہ دیکھنا، سمجھ کر نہ پڑھنا، اپنی رائے سے سبق شروع کر دینا، سبق چھوڑ دینا، ومثل ذٰلک!

ایک صاحب جو کسی مدرسے میں مدرّس تھے اور حضرت مولاناؒ کے شاگرد بھی تھے اور طبعًا ذرا دلیر تھے، بے ساختہ بول اُٹھے کہ کیوں حضرات! سب طلبا ہی پر اِلزام ہے، مدرّسین کی کوئی خطا نہیں؟ حضرت مولاناؒ نے فرمایا: ''ہاں بھائی! وہ تم بتلاؤ!'' وہ بولے: کیا یہ مدرّسین کی غلطی نہیں ہے کہ کسی طالبِ علم نے کوئی بات پوچھی، بجائے اس کے کہ شفقت سے اس کا شبہ رفع کریں، جھاڑ کی طرح اس کے پیچھے لگ گئے اور اِلزامی جوابوں سے اس کے سر ہو گئے۔ وہ بے چارہ خوف زدہ ہو کر چپ رہ گیا اور وہ شبہ جوں کا توں رہ گیا۔ تو اس فن میں کیا اِستعداد ہو؟ تو مولاناؒ کیا فرماتے ہیں: ''ہاں بھائی ہاں! سچ کہتے ہو، یہ عیب تو میرے اندر بھی ہے۔'' وہ بے چارے بے حد شرمندہ ہوئے کہ حضرت! واللہ جو میرا یہ مقصود ہو؟ نعوذ باللہ! حضرت کو تھوڑا ہی کہتا ہوں۔ ہنس کر فرمانے لگے: ''تم نہ کہو، مجھ کو تو معلوم ہے، میں تو کہتا ہوں۔''

ذکر نمبر (۲۲) کمال صبر و برداشت

بعضے درشت و نادرست مزاج طلبا درس میں بہت ہی بے ادبی کے الفاظ کہہ ڈالتے تھے، مگر حضرت مولاناؒ کو کبھی اس پر تغیر نہیں ہوا۔ اس وقت کوئی خاص قصہ ذہن میں حاضر نہیں۔

مکاتیبِ حضرت مولانا رحمہ اللہ

ذکر نمبر (۲۳)

یہ میری کوتاہی ہے یا کم ہمتی کہ حضرت رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں مکاتبت (خط وکتابت) کا بہت ہی کم اِتفاق ہوا، اور جو بعض اوقات اس کی نوبت بھی آئی اور اس کا جواب بھی بالالتزام عطا ہوا تو ان کی حفاظت کا کچھ اِلتزام نہیں ہوا۔ اس وقت کل تین والا نامے محفوظ یاد آتے ہیں، ایک تو تفسیر کے متعلق ایک سوال کے جواب میں ہے، جو تتمہ جلد رابع فتاویٰ امدادیہ: ص ۳۲۶ میں مطبوع ہوگیا ہے،[1] وہاں ملاحظہ فرمالیا جائے، اور

(۱) حضرت تھانویؒ نے جس مکتوب کا ذکر فرمایا ہے وہ یہ ہے:

اَز احقر محمود عفا اللہ عنہ

بہ خدمت گرامی مکرمی جناب مولانا مولوی اشرف علی تھانوی صاحب زید مجدہم ودام شرفہم۔

تسلیمات وتحیاتِ مسنونہ کے بعد عرض ہے: الزانیہ کے تقدم اور السارقہ کے تأخر کی نسبت چوں کہ بالتصریح حضرات اکابر رحمہم اللہ تعالیٰ سے کوئی بات سنی ہوئی بندے کو یاد نہیں؛ اس لیے کچھ جواب دینے کی جرأت نہیں ہوتی۔ اہل تفاسیر کے ارشادات جناب کو مجھ سے زاید معلوم ہیں، پھر فرمایئے عرض کروں تو کیا کروں؟

البتہ ملا کی تعریف میں داخل ہونے کی نیت سے یہ عرض ہے کہ سارق اور سارقہ فعل سرقہ میں ہر ایک مستقل ہے۔ ایک کے فعل میں دوسرے کو دخل نہیں، بہ خلاف فعل زنا کے کہ فعل واحد دونوں کا محتاج ہے، کسی کو مستقل نہیں کہہ سکتے؛ اس لیے سارق کو مقدم فرمانا تو محل خلجان نہیں ہوسکتا کہ رجال اشرف اور اَقویٰ ہونے کی وجہ سے تقدیم کے مستحق ہیں۔ چناں چہ آیاتِ قرآنیہ میں یہ تقدیم جا بہ جا موجود ہے، حتی کہ صرف رجال پر اکثر مواقع میں اَحکام وخطابات جاری فرمائے جاتے ہیں، اور نساء کا ذکر تک بھی نہیں فرماتے، تبعاً نساء کو داخل کرنے پر اِکتفا کیا جاتا ہے۔ =

دو معمولی مضمون کے ہیں، ان کو ذیل میں برکت کے لیے نقل کرتا ہوں۔ حضرتؒ کے مذاق تواضع وشفقت پر دلالت کے لیے یہ بھی دو شاہد عدل سے کم نہیں ہیں۔

= البتہ باعثِ خلجان یہ ہے کہ خلاف قاعدہ آیت سورۂ نور میں زانیہ کو مقدم ذکر فرمانے کی کیا وجہ ہو؟ اس کی نسبت یہ عرض ہے کہ بسا اوقات باعثِ تقدیم بے شک اولیت اور اقدمیت ہوتی ہے، اسی کی وجہ سے رجال کو مستمراً مقدم کیا جاتا ہے؛ مگر کبھی یہ بھی ہوتا ہے کہ کسی مصلحت کی رعایت سے ضعیف کو قوی پر مقدم کرنا عین حکمت و بلاغت سمجھا جاتا ہے۔ آیت: ﴿مِنْ بَعْدِ وَصِيَّةٍ يُّوصِيْ بِهَآ اَوْدَيْنٍ﴾ میں وصیت کو دین پر اسی وجہ سے مقدم فرمایا گیا۔ حال آں کہ دَین وصیت سے قوی ہے۔ جب کہ یہ مسلم ہو چکا کہ تقدیم کبھی بہ وجہ قوت ہوتی ہے اور کبھی بہ وجہ ضعف، تو اَب یہ عرض ہے کہ مانحن فیہ بین زانیہ کی تقدیم میں دونوں وجہ جاری ہو سکتی ہیں۔ جب یہ دیکھا جاتا ہے کہ ہر چند فعل زنا گو دونوں پر موقوف ہے؛ مگر اکثر اوقات یہی ہوتا ہے کہ محرکِ اوّل اس امر میں عورت ہی ہوتی ہے۔ کم سے کم یہ ہوتا ہے کہ اس کی طرف سے ایسے انداز وحرکات صادر ہوتے ہیں جو رِجال کو باعث رغبت وتہیج شوق ہو جاتے ہیں، بدوں (بغیر) اس کے کہ عورت کی طرف سے کسی قسم کی ادنیٰ اعلیٰ تحریک ہو، وقوعِ زنا نہیں ہوتا، یا ہو تو شاذ و نادر ہو۔ فقط!

زانیہ فرمانا مزنیہ نہ فرمانا بھی اس طرف مشیر ہے، اور یہی وجہ ہے کہ عورت کو لباسِ زینت وخوش بو کے ساتھ گھر سے نکلنا یا اجانب کے قریب ہونا بھی منع ہوا، بہ خلاف رجال کے کہ ان پر یہ تشدد نہیں فرمایا گیا، اور عورت کے تحرک کے بعد رجال سے ضبط وصبر ہونا شاذ و نادر۔ یہی وجہ ہے کہ مرد کی طلب کو عورت بسا اوقات مسترد کر دیتی ہے؛ مگر طلب نساء کو رجال سے روکنا نہایت دُشوار اور نادر الوقوع۔ نظر بریں وجوہ نساء اس بارے میں اقویٰ اور اقدم ہیں اور لائق تقدیم۔

حضرات مفسرین کے ارشادات سے بھی ایسا ہی معلوم ہوتا ہے، اور جب یہ دیکھا جاتا ہے کہ رجال اس امر میں فاعل ومختار وقادر ونساء منفعل ومجبور حتی کہ امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ تعالیٰ تو رجال پر اِکراہ علی الزنا کو معتبر بھی نہیں فرماتے تو عورت کی جانب ضعیف معلوم ہوتی ہے، جس سے ممکن ہے کہ کسی کو اجرائے حد زنا کا جو کہ اشد الحدود ہے نساء پر موجب رأفت ودرگزر ہو جائے؛ اس لیے نساء کو رجال پر مقدم فرمانا مثل تقدیم وصیۃ علی الدین مطابق حکمت و بلاغت ہو۔ =

مکتوب نمبر (۱)

سراپا فضل وکمال شَرَّفَكُمُ اللّٰهُ تَعَالٰى وَجَعَلَكُمْ فَوْقَ كَثِيْرٍ مِّنَ النَّاسِ

السلام علیکم ورحمۃ اللہ

بارہا آپ کی خیریت معلوم ہونے کا داعیہ پیدا ہوا، اور ایک دو دفعہ بعض آیندگان کی زبانی آپ کی خیریت معلوم بھی ہوئی۔ اللہ تعالیٰ آپ کو مع جملہ متعلقین خیرت سے رکھے۔ اس وقت ایک صاحب بنگالی مسمّٰی عبدالمجید سے ملاقات ہوئی جو ہندوستان واپس ہورہے ہیں اور جناب کی خدمت میں حاضر ہونے کا قصد بھی رکھتے ہیں، یہ موقع غنیمت معلوم ہوا؛ اس لیے یہ عریضہ روانہ کرتا ہوں۔ بندہ مع رُفقا بحمدللہ اس وقت تک بالکل خیریت اور اِطمینان سے ہے۔ شروع رجب میں مکۂ معظّمہ حاضر ہوگیا تھا، اِس وقت تک یہیں حاضر ہوں۔ مجھ کو اُمید ہے کہ فلاح وحسنِ خاتمہ کی دُعا سے اس دُور افتادہ کو فراموش نہ فرمائیں گے۔ آیندہ قیام کی نسبت ابھی کچھ عرض نہیں کرسکتا۔ مولوی شبیر علی صاحب[1]؛

= نیز وجہ ثانی کی مؤید ایک وجہ وجیہہ یہ بھی ہوسکتی ہے کہ نساء کی نسبت زنا کی ادنا سی تہمت بھی نعوذ باللہ اس قدر موجب ننگ وعار ہے کہ اس کا تحمل معمولی آدمیوں سے تو کیا؟ خواص سے بھی سخت دشوار۔ اب یہ الزام کسی عورت پر لگے اور حاکم کے رُوبہ روجا کر سارے مراحل طے ہوکر علی الاعلان عورت پر حدِ زنا کو جاری کیا جائے۔ اللہ اکبر! اس قدر سنگین امر ہے کہ اولیائے مزنیہ تو درکنار تمام خاندان واہلِ قبیلہ واہلِ برادری کو بھی اس تحمل مالایطاق نظر آتا ہے، **لاأفضح قومي سائر اليوم شاهد** بھی موجود ہے، اس لیے عورت پر حدِ زنا جاری کرنے میں بالیقین سب ہی تساہل کریں گے؛ بلکہ مانع ہونے کو مستعد ہوں گے، تو اب اجرائے حد میں ان کو مقدم فرمانا تقدم وصیۃ علی الدین سے بہ درجہا زاید قابل قبول ہونا چاہیے۔ **واللّٰه سبحانه أعلم، ولاحول ولاقوة إلا باللّٰه العلي العظيم**۔ (امدادالفتاوی ج:۶، ص:۳۴-۳۳۲، کراچی)

(۱) ذکر میرا مجھ سے بہتر ہے کہ اس محفل میں ہے۔ (شبیر علی تھانوی)

مولوی محمد ظفر صاحب، مولوی عبداللہ صاحب وغیرہ حضرات سے سلامِ مسنون فرمادیجیے۔ منشی رفیق احمد صاحب کی خدمت میں سلام۔ خدا کرے ان کا رسالہ رُو بہ ترقی ہو۔

والسلام علیکم وعلی من لدیکم

فقط بندہ محمود عفی عنہٗ

مکۂ معظّمہ ۱۲ر محرم، چہار شنبہ (بدھ)

مکتوب نمبر (۲)

معدنِ حسنات وخیرات، دام ظلکم

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

نامۂ سامی موجب مسرّت وامتنان ہوا، جو ہوا مکرمین ومخلصین کی ادعیۂ مقبولہ کا ثمرہ ہے، اَدَامَ اللہ فیوضہم وبرکاتہم۔ احقر اور رُفقا ومتعلقین بحمدللہ خیریت سے ہیں، سب کا سلامِ مسنون قبول ہو۔ والسلام علیکم وعلی من لدیکم۔ فقط!

بندہ محمود عفی عنہٗ، از دیوبند

دوم شوال، روز یک شنبہ (اتوار)

ذکر نمبر (۲۴): حق پرستی اور رعایتِ دِین

حضرتؒ کے اِنصاف اور حق پرستی اور رعایتِ دین کا نمونہ ایک قصے سے واضح ہوتا ہے۔ ایک قصبے میں ایک رئیس اور عالم کے یہاں، جو اپنے ہی مجمع کے ہیں، ایک تقریب تھی۔ احقر بھی اس میں مدعو تھا، اور حضرت مولانا رحمۃ اللہ علیہ بھی اور دیگر حضرات بھی۔ وہاں پہنچ کر معلوم ہوا کہ رُسومِ بدعت میں سے کوئی رسم وہاں نہیں، اور کیوں کر ہوتی؟ جب کہ صاحبِ تقریب خود بدعت سے مانع تھے؛ مگر عام برادری کی دعوت تھی، جس کو میں بنا بر تجربہ رُسومِ تفاخر میں سے سمجھتا ہوں، اور جن اکابر پر حسنِ ظن غالب ہے وہ

اس میں توسع فرماتے ہیں۔ چناں چہ اسی تفاوت کا یہ اثر ہوا کہ میں تو بلاشرکت واپس آ گیا اور دیگر حضرات نے شرکت فرمائی۔ خود اپنے ہی مجمع میں اس کا مختلف عنوانوں سے بڑا غوغا ہوا، اور مجھ سے تو جب اس اختلاف کے متعلق کسی نے سوال کیا میں نے تو بزرگوں کے ادب کی رعایت ہی مدنظر رکھ کر جواب دیا، مگر عجیب بات یہ ہے کہ حضرت مولانا رحمۃ اللہ علیہ سے بھی جو بعض نے سوال کیا تو باوجود ے کہ حضرتؒ کے ذمے اس احقر کی رعایت کی کون (سی) ضرورت تھی؛ لیکن جو جواب عطا فرمایا اس میں جس درجے رعایت ہے وہ قابلِ غور ہے۔ وہ جواب یہ تھا کہ:

''واقعی بات یہ ہے کہ عوام کے مفاسد کی جس قدر فلاں شخص (یعنی احقر) کو اِطلاع ہے ہم کو اِطلاع نہیں، اس لیے اس نے احتیاط کی۔''

حقیقت یہ ہے کہ ع

بریں نکتہ گر جاں فشانم رواست!

یہ جواب مجھ سے بعض ثقات نے نقل کیا۔

ذکر نمبر (۲۵) گفتگو سے رائے نہیں بدلا کرتی

اسی قصۂ مذکورہ متصلاً کی نظیر، اسی انصاف اور حق پرستی اور رعایت کا نمونہ یہ قصہ بھی ہے (اور اس وقت اسی پر اس ''ذکرِ محمود'' کو ختم بھی کر دُوں گا) کہ حضرت مولانا رحمۃ اللہ علیہ جب مالٹا سے تشریف لائے تو بعض خاص اسباب سے بعض خاص معاملات میں بعض خاص خیالات ظاہر فرمائے اور اعلاماً و عملاً ان میں حصہ لیا، جس کا مبنی محض خلوص کے ساتھ اسلام و اہلِ اسلام کی خدمت تھی؛ چوں کہ وہ مسائل اِجتہادی تھے، جن میں شرعاً گنجائش اختلاف کی ہوتی ہے، اور ان میں بعضے پہلو دُنیوی و دینی خطرات بھی رکھتے تھے، جو شرعاً واجب التحرز تھے۔ بعض اہلِ علم نے ان خطرات و مضرات

پرنظر کر کے ان تحریکات میں رائیاً وعملاً شرکت نہیں کی، اور احقر کا خیال بھی ان ہی علاحدگی رکھنے والوں کے موافق تھا، اور اس علاحدگی کو اکثر اہلِ محبت مفرطہ نعوذ باللہ حضرتؒ کی مخالفت سمجھتے تھے؛ مگر خود حضرتؒ کی یہ کیفیت تھی کہ جب میں زیارت کے لیے دیوبند حاضر ہوا تو میرے ساتھ میرے ایک دوست بھی تھے، جو ضلع اعظم گڑھ کے رہنے والے اور حضرت رحمۃ اللہ علیہ کے شاگرد تھے، وہ مجھ سے کہتے تھے: میں نے حضرتؒ سے عرض کیا: اشرف اس وقت آیا ہوا ہے، اگر ان اُمور میں گفتگو فرمالیجیے تو شاید رائے متفق ہوجائے؟ ارشاد فرمایا:

''نہیں، مناسب نہیں۔ جو شخص اپنا لحاظ کرتا ہو اس سے ایسی گفتگو کرنا مناسب نہیں۔ نیز گفتگو سے رائے نہیں بدلا کرتی، واقعات سے بدلا کرتی ہے۔''

اللہ اکبر! اس انصاف ورعایت کی کچھ حد ہے؟

نیز ایک صاحب اسی مضمون کے متعلق کہتے تھے کہ وہ دیوبند حاضر تھے، بعض لوگ اس احقر کی شکایتیں ان معاملات میں کررہے تھے۔ حضرتؒ نے سن لیا، فرمایا:

''افسوس! تم ایسے شخص کی شکایتیں کرتے ہو جس کو میں ایسا ایسا سمجھتا ہوں۔''

(یہاں بعض الفاظ میری شان سے بہت ارفع ہیں، اس لیے میں نے ان کو نہیں لکھا کہ چہ نسبت خاک را با عالم پاک)

اور یہ بھی فرمایا:

''میں جو کچھ کررہا ہوں کیا مجھ پر وحی نازل ہوئی ہے؟ میری ایک رائے ہے، سو اُس کی (یعنی احقر کی) بھی ایک رائے ہے، اس میں اعتراض وشکایت کی کیا بات ہے۔''

نیز بعضے لوگوں نے حضرت رحمۃ اللہ علیہ کو ان ہی تحریکات کی تقویت کے لیے تھانہ بھون لانا چاہا اور درخواست کی، تو ایک شخص کہتے تھے کہ حضرتؒ نے یہ جواب دیا:

''وہاں فلاں شخص (یعنی احقر) موجود ہے، میرے جانے سے اس کو تنگی ہوگی؛ کیوں کہ موافقت تو اس کی رائے کے خلاف ہوگی اور عدم موافقت سے شرمائے گا، اس لیے وہاں نہیں جاتا۔''[۱]

سبحان اللہ، اللہ اکبر! میں تو اکثر اوقات اپنے بزرگوں کے ایسے کمالات پیش کر کے دوسری جماعتوں کو خطاب کر کے کہتا ہوں[۱]:

أُولَائِکَ آبَائِي فَجِئْنِي بِمِثْلِهِمْ
إِذَا جَمَعَتْنَا يَا جَرِيْرَ الْمَجَامِعِ

خاتمہ

اب اس کو ختم کرتا ہوں اور حسرت کے ساتھ تاریخ وفات سے اِطلاع دیتا ہوں کہ بہ تاریخ ۱۸ر ربیع الاول ۱۳۳۹ھ/ ۳۰ر نومبر ۱۹۲۰ء یوم سہ شنبہ (منگل) رہ گذائے عالم بقا ہوئے۔ اِنَّا لِلّٰهِ وَاِنَّا اِلَيْهِ رَاجِعُوْنَ

اس احقر نے محض سہولتِ یادداشت کے لیے ایک مادّہ تاریخ کا سوچا ہے، گو فصیح نہیں ہے، اور اس پر مصرعے بھی لگا دیے، گو شاعر نہیں ہوں۔ وھو ھٰذا:

قطعہ

آہ حضرت شیخ محمود الحسن
راہی جنت شد از دار المحن
گفت ہاتف چوں بہ جستم سالِ او
واصل درگاہ جاناں ذُو المنن
۱۳۳۹

(۱) اسی طرح ایک موقع پر یہ ارشاد فرمایا: ''تم کیوں بار بار اس پر اعتراض کرتے ہو؟ وہ بھی دین کا ایک کام کر رہا ہے۔'' (اشرف)

اور حضرت رحمہ اللہ کے حاضر باش خواص سے اُمید رکھتا ہوں کہ اگر وقت ملے تو حضرتؒ کے کمالاتِ علمیہ وعملیہ کا مبسوط تذکرہ تحریر فرمائیں، خصوصاً بالخصوص مولانا حبیب الرحمٰن صاحب، مولانا شبیر احمد صاحب، مولانا حسین احمد صاحب سلّمہم اللہ تعالیٰ کی توجہ سے اس مقصود کی تکمیل میں بہت کچھ آسانی کی توقع ہوتی ہے۔

واللّٰہ الفاتح لکل أبواب الخیرات وھو الموفق لاتمام الصالحات!

کتبہ اردء تلامذہ صاحب التذکرۃ

الاحقر اشرف علی

رزقہ اللّٰہ تعالیٰ التقویٰ والمغفرۃ

۱۳؍جمادی الاول ۱۳۳۹ھ (۲۵؍جنوری ۱۹۲۱ء بہ روز اتوار)

من گھڑت روایات کے تعاقب میں
حضرت حکیم الامت کی مساعی جمیلہ

مفتی طارق امیر خان صاحب

علمائے ہند و پاک نے من گھڑت روایات کے تعاقب میں مثالی خدمات انجام دی ہیں ان میں حضرت حکیم الامتؒ کی مساعی جمیلہ ممتاز حیثیت کی حامل ہیں، اس سلسلہ میں مفتی طارق امیر نے اب تک ایسی (۸۴) احادیث کا مجموعہ تیار کیا ہے جن کو حضرت حکیم الامت نے من گھڑت قرار دیا ہے اور ان کو مفتی طارق امیر نے حضرت حکیم الامت رحمہ اللہ کے افادات سے مرتب کر کے گراں قدر کارنامہ انجام دیا ہے، حضرت مولانا سلیم اللہ خان رحمۃ اللہ علیہ سابق صدر وفاق المدارس پاکستان کی سرپرستی میں یہ کام شروع ہوا تھا ابھی ہندوستان سے شائع نہیں ہوئی الحمدللہ پہلی مرتبہ حکیم الامت اکیڈمی تھانہ بھون سے منظر عام پر آچکی ہے۔ (۹۵۶۸۷۸۰۰۰۰)

بسم اللّٰہ الرحمٰن الرحیم

ضمیمہ ذکرِ محمود

عربی قصیدہ مع ترجمہ اردو

حضرت مولانا علامہ ظفر احمد عثمانی تھانوی قدس سرہٗ

خواہرزادہ

حضرت حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانوی قدس سرہٗ

عرفی اگر بگر یہ میسر شدے وصال
صد سال می تواں بتمنا گریستن

﴿ماخوذ﴾

رسالہ النّور ماہ رجب المرجّب ۱۳۳۹ھ

ناشر

اشرف المطابع تھانہ بھون

شیخ العالم حضرت مولانا محمود حسن صاحبؒ کی حکایت

براویت حکیم الاسلام حضرت قاری محمد طیب صاحبؒ

سابق مہتمم دارالعلوم دیوبند

حکیم الاسلام قاری محمد طیب صاحبؒ فرماتے ہیں کہ حضرت والد ماجد اور عم محترم مولانا حبیب الرحمٰن صاحب نے فرمایا کہ حضرت مولانا محمود حسن صاحب فرماتے تھے کہ جب حضرت نانوتویؒ کی وفات ہوئی تو مجھ سے خود حضرت گنگوہی نے فرمایا کہ تیس برس کی محنت سے جو بات قائم ہوئی تھی وہ آج نہیں ہے۔

پھر فرمایا کہ مولانا کی تو وفات ہوگئی ہمارے صدمہ سے وہ تو واپس نہیں آسکتے؛ مگر مجھے رونا اپنا ہے کہ تیس برس کی مشقت سے قلب میں جو ایک کیفیت قائم ہوئی تھی وہ جارہی ہے۔ (منقول از روایات الطیب)

حکایت امیر شاہ خان صاحب خورجوی نے فرمایا آخر میں ایک قصہ مولوی محمود حسن صاحب کا لکھتا ہوں جب نواب محمود علی خاں کا انتقال ہوا تو حضرات دیوبند کا ارادہ ہوا کہ وہ نواب صاحب کی تعزیت کے لیے چھتاری آئیں اور انہوں نے مولوی محمود حسن صاحب پر بھی زور دیا کہ تم بھی چلو۔ مولوی محمود حسن نے مجھے خفیہ جوابی خط لکھا اور لکھا کہ تم اپنی اصلی رائے لکھو کہ میں آؤں یا نہ آؤں اور لکھا کہ اس کا جواب دہلی فلاں شخص کے نام بھیجنا۔ اور جواب مجمل لکھنا۔ میں نے لکھ دیا کہ نہ آیئے۔ اس پر مولوی صاحب نے دستوں کی گولیاں کھالیں اور اصرار کرنے والوں سے بیماری کا عذر کردیا۔

(منقول از امیر الروایات الطیب)

ضمیمہ ذکرِ محمود

بسم اللّٰہ الرحمن الرحیم

الحمد للّٰہ الذي کل شيء ماخلاہ باطل وھو الحي المعبود. والصلاۃ والسلام علیٰ أفضل الرسل سیدنا محمد الذي ھو فخر کل موجود. خاتم الرسالۃ وصاحب الشفاعۃ العظمٰی والمقام المحمود. وعلٰی آلہ وأصحابہ أتباعہ الطیبین الطاھرین الفائزین بالمقصود. أمابعد!

احقر ظفر احمد عثمانی عفا اللہ عنہ عرض کرتا ہے کہ حضرت سیدنا امیر المؤمنین علی کرم اللہ تعالیٰ وجہہ کا ارشاد ہے: **إذا ذکر الصالحون فحیھلا بعمر** (رواہ السیوطي في الجامع الکبیر) جب صالحین کا ذکر کیا جائے تو (حضرت) عمرؓ کا تذکرہ ضرور ہونا چاہیے اس ارشاد سے ذکر صالحین کی اہمیت اور اُن میں سے بالخصوص کاملین کی اقدمیت مستنبط ہوتی ہے اس سنت کا اتباع کرتے ہوئے دل چاہتا ہے کہ اس وقت ناظرین کے سامنے حضرت اقدس شیخ العالم قطب العارفین کہف الطالبین مولانا محمود حسن المحدث العارف الصوفی الدیوبندی قدس اللہ سرہٗ کا جو کہ شدت وعلطت علی المعاندین ورحمت ورافت بالمسلمین میں اپنے وقت کے عمر اور سیاست میں عثمان وقت تھے مختصر تذکرہ پیش کروں؛ کیوں کہ مفصل تذکرہ لکھنا انہیں حضرات کا کام ہے جو حضرت کی طول صحبت وملازمت خدمت سے زیادہ مشرف ہوئے ہیں جس سے یہ ناکارہ محروم ہے اور اس کو

رسالہ ''ذکرِ محمود'' کا جو کہ حضرت حکیم الامت مجدد الملّت مربی روحانی وجسمانی سیدی مولانا محمد اشرف علی صاحب دامت برکاتہم نے اس احقر کی درخواست پر مولانا ممدوح قدس سرہٗ کے تذکرہ میں بالاختصار تحریر فرمایا ہے ضمیمہ سمجھنا چاہیے حق تعالیٰ اس کو قبول فرمائیں اور اس ناکارہ کو حضرت رحمۃ اللہ علیہ کے فیوض برزخیہ سے فیضیاب فرمائیں۔ منشاء اس تحریر کا صرف یہ ہے: **من أحب شيئا أكثر ذكره** کہ جس کو جس سے محبت ہوتی ہے وہ اُس کو بہت یاد کیا کرتا ہے جیسا کہ اس مضمون کو حضرت مولانا رومی قدس سرہٗ نے ایک حکایت کے ضمن میں بیان فرمایا ہے ؎

گفت اے مجنون لیلیٰ چیست ایں
می نویسی نامہ بہر کیست ایں

گفت مشق نام لیلیٰ می کنم
خاطر خود را تسلی می دہم

باز گو از نجد از یاران نجد
تادرو دیوار را آری بوجد

یاد یاراں یار رامیموں بود
خاصہ کان لیلیٰ وایں مجنون بود

اور مقصود یہ ہے کہ طالبانِ راہ حق کو اتباع اور اقتدا کا ایک نمونہ دکھلا دیا جائے اور بس؛ اس لیے امید ہے کہ الفاظ کی بے ربطی پر التفات نہ فرما کر اصل مقصود سے منتفع ہونے پر نظر رکھی جائے گی۔ اس ضمیمہ میں بھی اصل رسالہ کی طرح واقعات کو نمبروار (بعنوان) ذکر کیا جائے گا۔

ذکر(۱) سادگی

سب سے اوّل اس ناکارہ کو اُس مرکز دائرہ ارشاد کی زیارت اُس وقت ہوئی جب کہ میں مدرسہ عالیہ دیوبند میں فارسی واُردو وغیرہ کی تعلیم پاتا تھا اور اس وقت میری عمر تقریباً نو دس سال کی تھی؛ اس لیے حقیقی کمالات کو تو میں اس وقت کیا سمجھ سکتا تھا؛ البتہ خداداد محبوبیت کی شان کی وجہ سے میرے دل میں حضرت کی محبت اور عظمت وعقیدت اُسی وقت سے جاگزیں ہے، مجھے خوب یاد ہے کہ اس وقت حضرت کا لباس بہت ہی سادہ ہوتا تھا، گاڑھے کی نیلی لُنگی اکثر کاندھے پر پڑی رہتی تھی اور باقی لباس بھی موٹا جھوٹا ہوتا تھا؛ مگر اس کے باوجود ایک خداداد عظمت تھی جو اس لباس کے اندر بھی نمایاں ہوتی تھی

ہیبت حق ست وایں از خلق نیست
ہیبت آں مرد صاحب دلق نیست

ذکر(۲) ذکاوت وظرافت وجفاکش

ایک بار میں سہارنپور سے (جب کہ وہاں خدمتِ تدریس پر مامور تھا) دیوبند حضرت کی خدمت میں حاضر ہوا تو حضرت اس وقت حدیث کا سبق پڑھا رہے تھے باوجودیکہ اُس وقت آپ کے ہاتھ میں کچھ تکلیف بھی تھی غالباً چوٹ لگ گئی تھی اور طلبہ اصرار کر رہے تھے کہ ہم اس حالت میں پڑھنا نہیں چاہتے، جناب کو تکلیف ہوگی؛ مگر آپ نے ارشاد فرمایا کہ ناغہ کرنا اچھا نہیں اور میں ہاتھ سے تھوڑی پڑھاؤں گا جو تکلیف ہو میں تو زبان سے پڑھاؤں گا غرض سبق شروع ہوا کتاب غالباً ترمذی تھی اس میں یہ حدیث آئی "**لایمنعنکم أذان بلال فإنه یؤذن باللیل فکلوا واشربوا حتیٰ یؤذن ابن أم مکتوم الخ**" حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے کہ بلال کی اذان تم کو کھانے پینے سے نہ روکے؛ کیوں کہ وہ رات میں اذان دیتے ہیں؛ بلکہ تم کھاتے پیتے رہو یہاں تک کہ ابنِ اُمِّ مکتوم اذان دیں

(کیوں کہ وہ صبح ہوجانے کے بعد اذان دیتے ہیں) اس پر ایک طالبِ علم نے سوال کیا کہ اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ اذان دینا وقت سے پہلے بھی جائز ہے؛ کیوں کہ بلال صبح ہونے سے پہلے اذان دیتے تھے۔ حضرت مولانا نے فوراً جواب دیا کہ اگر اذان دینا وقت سے پہلے جائز ہوتا اور وہ اذان کافی ہوجایا کرتی تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم دو اذانیں کیوں دلواتے بس بلال کی اذان صبح کی نماز کے لیے کافی تھی عبد اللہ ابن مکتوم کی اذان کی کیا ضرورت تھی، اس سے تو خود یہ بات معلوم ہوتی ہے کہ بلال کی قبل از وقت اذان صبح کی نماز کے لیے کافی نہ تھی یہی حنفیہ کا مذہب ہے کہ اگر وقت سے پہلے اذان دے دی جائے تو وہ کافی نہ ہوگی؛ بلکہ اُس کا اعادہ ضروری ہے رہی یہ بات کہ جب بلال کی اذان صبح کی نماز کے لیے کافی نہ تھی تو وہ کس لیے اذان دیتے تھے اس کا جواب یہ ہے کہ بلال کی اذان درحقیقت اذان نہ تھی؛ بلکہ وہ روزہ داروں کو سحری کے لیے جگانے کا اعلان تھا۔ آج کل سحری میں جگانے کے واسطے نقارے بجائے جاتے ہیں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے لیے اذان کی صورت کو مناسب سمجھا اور صحابہ کو مطلع کر دیا کہ؛ بلکہ رات میں اذان دیا کریں گے اُس سے صبح ہوجانے کا گمان نہ کرنا سو اس سے حنفیہ کو بھی انکار نہیں اگر اس وقت کوئی امام (اور خلیفہ) ہو اور وہ سحری میں جگانے کے واسطے یہی صورت اختیار کرے جائز ہے؛ مگر ہر شخص کو ایسا اختیار نہیں ہے؛ کیوں کہ خلیفہ جو کچھ کرے گا انتظام سے کرے گا اور دوسرے لوگ نہ معلوم کیا کیا گڑبڑ کریں گے، پس حنفیہ کے دعویٰ کی اس حدیث سے نفی نہیں ہوتی؛ بلکہ تائید ہوتی ہے یہ بات تو مولانا کی خصوصیات میں سے تھی کہ دلائل خصم سے اپنا مدعی ثابت کر دیتے تھے اور اس آسانی سے کہ یوں معلوم ہوتا تھا کہ یہ حدیث تو حقیقت میں حنفیہ ہی کی دلیل ہے دوسرے خواہ مخواہ اس سے اپنا مدعی ثابت کرتے ہیں سنا ہے کہ بعض حضرات کے پاس مولانا کی تقریریں فن حدیث کے متعلق محفوظ ہیں خدا کرے وہ شائع ہوجائیں جو استادی مولانا محمد یحییٰ صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے قلمبند فرمائی تھیں خدا اس کی اشاعت کا بھی سامان کر دے۔

ذکر (۳) اکمالِ صلاۃ

حضرت قدس سرہٗ نماز بہت اچھی ادا فرماتے تھے ایک مرتبہ مجھے بریلی کے سفر میں حضرت کی معیت نصیب ہوئی مغرب کے بعد جو حضرت نوافل کی نیت باندھ کر کھڑے ہوئے تو قیام کی حالت میں ایسا معلوم ہوتا تھا کہ گویا بدن میں حس وحرکت ہی نہیں پھر قیام کی طرح رکوع اور سجدے بھی لمبے لمبے نہایت سکون کے ساتھ ہوتے تھے غرض کہ آپ کی نماز بالکل مطابق سنت تھی۔ رمضان کی راتوں میں سنا ہے کہ مولانا بہت ہی کم سوتے پھر سحری کے وقت تک نوافل میں قرآن سنتے رہتے تھے اور بعض دفعہ تمام رات نماز اور تلاوت ہی میں گذار دیتے تھے نوافل کی جماعت میں تو آپ کو توسع تھا ثقات سے سنا ہے کہ رمضان کی راتوں میں آپ کے یہاں نوافل کی بڑی لمبی جماعت ہوتی تھی؛ لیکن ہمارے دیگر مشائخ اس میں تنگی کرتے ہیں اور نفل کی جماعت کو مکروہ فرماتے ہیں کہ اصل مذہب حنفیہ کا یہی ہے؛ مگر مسئلہ مجتہد فیہا ہے؛ اس لیے حضرت قدس سرہٗ اس میں توسع فرماتے تھے۔

ذکر (۴) چھوٹوں پر شفقت

ایک بار میں سہارنپور سے دیوبند گیا اور حضرت کی خدمت میں حاضر ہوا آنے والوں کے ساتھ شفقت اور محبت کا برتاؤ اور خندہ پیشانی سے پیش آنا یہ تو حضرت کی جبلت ثانیہ بھی تھی مجھ کو اپنے پاس ہی بٹھلا لیا اُس وقت حضرت عمدہ پوشاک پہنے ہوئے تھے اور ڈاک کے خطوط ملاحظہ فرما رہے تھے ان میں ایک خط خاص شخص کا تھا جو حضرت مولانا گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ سے بیعت ہیں اور حضرت شیخ العالم مولانا دیوبندی نے اُن کو خلافت واجازت عطا فرمائی تھی؛ مگر درحقیقت وہ اُس وقت اجازت کے قابل نہ تھے حضرت نے خط پڑھ کر اُن کا تذکرہ کیا (اُس وقت میرے دل میں یہ خطرہ گذرا کہ

حضرت نے ان کو خلافت کیوں دیدی یہ تو اس قابل نہیں ہیں) حضرت نے فوراً مجھ سے مخاطب ہوکر فرمایا کہ میں نے سنا ہے کہ وہ ذکر و شغل پابندی سے کرتے ہیں اور اکثر خلوت میں رہتے ہیں، مجاہدہ بھی بہت کرتے ہیں اور جو اُن سے بیعت ہوتا ہے اُس کو صحیح عقائد کی تعلیم کرتے اور نماز وغیرہ کی بہت تاکید کرتے ہیں اور اُن اطراف میں لوگ اُن کے بہت معتقد ہیں تو میں نے اس مصلحت سے اُن کو اجازت دیدی ہے کہ کام کرتے کرتے قابل ہو ہی جائیں گے اور عوام الناس کے ذریعہ سے گمراہ پیروں سے بچے رہیں گے اگرچہ یہ میں بھی جانتا ہوں کہ ابھی وہ اجازت کے اہل نہیں؛ مگر بات یہ ہے کہ کام کرنے والا محروم نہیں رہتا اھ میں اپنے خطرہ پر بہت شرمندہ ہوا اور حضرت کی اس شفقت پر بہت ہی حیرت ہوئی کہ مجھ جیسے نااہل کے سامنے اپنے اسرار ظاہر فرمادیے۔ مکہ معظّمہ سے حضرت تھانویؒ کے نام جو والا نامہ آپ نے تحریر فرمایا اس میں احقر کو اور چند دیگر صاحبوں کو بھی سلام سے یاد فرمایا جو خدام پر غائبانہ شفقت کی دلیل ہے۔

ذکر (۵) مزاح

اہل اللہ کی طبیعت میں چوں کہ ذکر و شغل کی برکت سے نشاط اور انشراح زیادہ ہوتا ہے؛ اس لیے یہ حضرات اکثر زندہ دل ہوتے ہیں جس کا ظہور کبھی کبھی اُن کے کلام میں بضمن ظرافت ہوجاتا ہے، حضرت قدس سرہٗ بہت زندہ دل تھے اور بعض دفعہ چبھتے ہوئے فقرے ایسے فرمادیا کرتے تھے کہ مجلس کی مجلس لوٹ پوٹ ہو جاتی حضرت حکیم الامت بواسطہ روایت فرماتے تھے کہ ایک مرتبہ اپنے بعض حضرات جمع تھے مولانا محمد یحییٰ صاحب رحمۃ اللہ علیہ بھی تھے اور وہ کسی بات پر اپنے چھوٹے بھائی کو دھمکا رہے تھے اُس وقت انہوں نے جن کو یہ کہا کہ تو بڑا گدھا ہے تو حضرت مولانا قدس سرہٗ بے ساختہ کیا فرماتے ہیں کہ گدھا ہونا تو مسلم؛ لیکن بڑا ہونے میں کلام ہے اس فقرہ پر سب حاضرین لوٹ (پوٹ) ہوگئے اور مولوی یحییٰ صاحب بھی ہنسنے لگے۔

ذکر (۶) قوت نسبت

حضرت حکیم الامت سے میں نے سنا فرماتے تھے کہ مجھ سے مولوی بدرالدین صاحب مرحوم ساکن گلاؤٹھی نے بیان کیا کہ ایک مرتبہ حضرت مولاناؒ خورجہ تشریف لے گئے عشاء کے بعد سونے کے لیے لیٹ گئے تھے کہ امیر محمد خان صاحب جو ایک صاحبِ نسبت بزرگ تھے، حضرتؒ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور دیوانوں کی طرح اُٹھ کر حضرتؒ کے تلوے چومنے لگے، حضرت مولانا فوراً اُٹھ بیٹھے اور فرمایا کہ صاحب یہ کیا غضب کرتے ہو، انہوں نے کہا حضرت میں نے بہت صاحب نسبت دیکھے ہیں؛ مگر آپ جیسا قوی النسبت نہیں دیکھا، مجھے اپنے فیض سے محروم نہ فرمایئے۔

ف: میں کہتا ہوں کہ حضرتؒ کی قوتِ نسبت ایسی ظاہر تھی کہ اُس کے لیے کسی دلیل کا بیان کرنا اُس کی تنقیص کرنا ہے۔ ؎

ز مدح ناتمام باجمال یار مستغنی ست
بآب ورنگ وخال وخط چہ حاجت روئے زیبا را

ذکر (۷) انفاق محبوب

حضرت حکیم الامت فرماتے تھے کہ جس وقت میں دیوبند میں پڑھتا تھا اُس زمانہ میں حضرتؒ کے یہاں ایک بقرہ تھی جس کو مولانا نے قربانی کے واسطے خریدا تھا عصر کے بعد اپنے ساتھ جنگل لے جا کر اُسے دوڑایا کرتے اور دانہ وغیرہ خوب کھلاتے تھے چند دنوں میں وہ ایسی تیار ہوگئی کہ قصائی اس کے ۸۰ روپئے دیتے تھے؛ حالاں کہ اُس زمانہ میں بقرہ ایسی ارزاں ملتی تھیں کہ دس بارہ روپئے کو اچھی مل جاتی تھی اس سے اندازہ کرلیا جاوے کہ اُس زمانہ میں جس گائے کی ۸۰ روپئے قیمت ملتی ہو وہ کیسی کچھ ہوگی؛ مگر حضرت مولانا نے اُس کو نہیں بیچا اور قربانی کے دن ذبح کردی؛ حالاں کہ خود مولانا کو اس

سے محبت بھی بہت ہوگئی تھی اور ذبح کرتے ہوئے آنسو بھی نکل آئے؛ مگر آپ نے خدا کے لیے اُس کی قربانی کردی اور فروخت نہیں کی سبحان اللّٰہ ،آیتِ کریمہ ﴿لَنْ تَنَالُو الْبِرَّ حَتّٰی تُنْفِقُوْا مِمَّا تُحِبُّوْنَ﴾ پر عمل کر کے دکھلا دیا۔

ذکر(۸) ہر کس و ناکس کا خیال

یہ صفت حضرتؒ میں بہت ہی بڑھی ہوئی تھی حضرت حکیم الامت فرماتے تھے کہ دیوبند کے جلسہ دستار بندی کے موقعہ پر مولوی محمود احمد صاحب رامپوری نے مہتمم صاحب کے پاس ایک مزدور کو خط دے کر بھیجا تھا جس میں مدرسہ کے متعلق کوئی بات لکھی تھی مہتمم صاحب نے اُس مزدور کو ۴؍آنہ کے پیسے خوراک کے لیے دیدیے کہ بازار سے کچھ لے کر کھالینا اور خط کا جواب لکھ دیا جب حضرتؒ کو معلوم ہوا کہ رامپور سے مزدور آیا تھا تو آپ نے دریافت فرمایا کہ اُس کو کھانا بھی کھلا دیا عرض کیا گیا کہ حضرت چار آنہ کے پیسے دے دیے گئے فرمایا کہ غریب آدمی پیسے خرچ نہیں کیا کرتا وہ ان پیسوں کو تو اپنے ساتھ لے جائے گا اور بھوکا رہے گا جلدی اُس کو تلاش کرو؛ چناں چہ چند آدمی اُس کو تلاش کرنے نکلے اور خود حضرت نے بھی تلاش کیا یہاں تک کہ بہت دور سے ملا اُس کو واپس بلا کر حضرت نے کھانا کھلوا کر پھر رخصت کیا۔

ف: واقعی اخلاق نبوت یہی ہیں اور کمالات انہی کا نام ہے یہ کوئی کمال نہیں کہ ذرا رقت طاری ہوگئی اور رو لیے یا دوسروں کو رُلا دیا۔

عرفی اگر بگریہ میسر شدی وصال
صد سال می تواں بتمنا گریستن

ذکر(۹) حبِ شیخ

مولانا گنگوہی قدس سرہٗ کی حیات میں حضرتؒ کا اکثر معمول یہ تھا کہ جمعرات کی

شام کو دیوبند سے چل کر عشاء کے وقت تک گنگوہ پہونچ جاتے پھر وہاں سے شنبہ کی رات کو عشاء کے بعد چل کر صبح تک دیوبند پہونچ جاتے اور حسب معمول سبق شروع کرادیتے (میں نے ثقات سے یہ بات سنی ہے)۔

ف: اس سے مولانا کے دو کمال ثابت ہوتے ہیں ایک محبت شیخ میں پیادہ پا طویل مسافت (۱۴۱ کلومیٹر) طے کر کے زیارت کے لیے پہونچنا جو بدون شدید بیتابی کے نہیں ہوسکتا دوسرے تقویٰ اور دیانت کہ مدرسہ کی تعلیم میں حرج واقع نہ کرتے تھے۔

ذکر (۱۰) سوز و درد

حضرت حکیم الامت فرماتے تھے کہ مولاناؒ کی نسبت میں سوز و درد اور بے تابی عشق بہت زیادہ ہے۔

ذکر (۱۱)

میں نے ثقات سے سنا ہے کہ گنگوہ پہونچ کر بعض دفعہ مولاناؒ عشاء کے بعد حضرت قطب العالم گنگوہی کی جوتیوں کو اپنے سینہ سے لگا کر رات بھر کھڑے رہتے تھے اور تہجد کے وقت حضرت کو وضوء کے لیے پانی دیتے تھے۔

ف: سبحان اللہ ایسے واقعات پہلے بزرگوں کے سنے جاتے تھے جن کو حضرت نے کر کے دکھلا دیا۔

ذکر (۱۲)

میں نے بعض احباب سے سنا ہے کہ ایک شخص نے حضرت قطب عالم گنگوہی سے عرض کیا کہ حضرت میں نے سنا ہے کہ آپ کو تسخیر کا عمل آتا ہے مولانا نے فرمایا کہ ہاں بھائی ہاں مجھے تسخیر کا عمل نہ آتا تو مولوی محمود حسن صاحب جیسے عالم میرے پاس کیوں آتے یہ تسخیر ہی تو ہے کہ مجھے کچھ بھی نہیں آتا اور ایسے ایسے عالم میرے معتقد ہیں۔

ف: اس میں حضرت قطبِ عالَم کی تواضع اور مولانا دیوبندی کے علم پر ناز وافتخار ظاہر ہے۔

ذکر (۱۳) اجازت وخلافت

حضرت مولانا نے اول حضرت قاسم العلوم قدس سرہٗ سے سلوک حاصل کیا اور تکمیل حضرت قطب عالم گنگوہی کے آستانہ پر ہوئی اور حضرت نے آپ کو خلعت اجازت وخلافت عطا فرمایا اس لیے مولانا کی نسبت میں دونوں رنگ موجود تھے اس کی مجھے تحقیق نہیں کہ آپ کو اجازت کس سنہ میں حاصل ہوئی۔

ذکر (۱۴)

مولانا گنگوہی رحمہ اللہ فرماتے تھے کہ مولوی محمود حسن صاحب رحمۃ اللہ علیہ تو علم کا کٹھلا ہیں (یعنی گودام)۔ (تذکرۃ الرشید)

ذکر (۱۵) فنافی الشیخ

حضرت سیدی مولانا خلیل احمد صاحب دامت برکاتہم سے میں نے سنا فرماتے تھے کہ جب میں اور مولانا محمود حسن صاحب بھاولپور مناظرہ کے لیے جانے لگے تو ہم دونوں گنگوہ حاضر ہوئے مولانا محمود حسن صاحب نے حضرت گنگوہیؒ سے عرض کیا کہ مسئلہ (امکانِ کذب) میں آپ اپنی رائے ہم کو بتلا دیں پھر مقدمات اور دلائل تو ہم اپنے آپ قائم کرلیں گے۔

ف: حضرت مرشدی دامت برکاتہم فرماتے تھے کہ یہ مولانا کا کمال تھا ہم تو حضرت کی بات بھی دلیل کے بعد مانتے تھے (میں کہتا ہوں کہ ان دونوں صورتوں میں ایک حال ہے ایک مقام ہے)۔

ذکر (۱۶) صبر و شکر

جب حضرت مولانا مالٹا سے تشریف لائے تو اپنی اسیری کی تکلیف اور مصیبت کا مطلق تذکرہ نہیں فرمایا جب بمبئی سے دیوبند تشریف لا رہے تھے تو سنا گیا ہے کہ میرٹھ کے اسٹیشن پر مضمون مبارکباد پیش کیا گیا جس میں آپ کی تکالیف اسیری پر غم کا اظہار بھی تھا مولانا نے اس کے جواب میں یہ شعر پڑھا۔

سفینہ جب کہ کنارہ پہ آلگا غالب
خدا سے کیا ستم وجور ناخدا کہیے

ذکر (۱۷)

حضرت حکیم الامت فرماتے تھے کہ جب مالٹا سے مولانا تشریف لائے اور میں زیارت کے لیے گیا اُس وقت حضرت نے یہ فرمایا کہ مجھ کو مالٹا میں ایسی یکسوئی رہتی تھی اور خلوت ایسی پسند تھی کہ بعض دفعہ یوں جی چاہتا تھا کہ یہ رفقاء بھی میری پاس نہ ہوتے تو اچھا تھا بس میں اکیلا ہی ہوتا۔

ف: سبحان اللہ سچ ہے اہل اللہ کے لیے کوئی تکلیف تکلیف نہیں اُن کے لیے مصائب میں بھی راحت ہے۔

دردازیاراست ودرماں نیزہم
دل فدائے او تشدد جاں نیزہم

ذکر (۱۸)

حضرتؒ نے سنت یوسف علیہ السلام پر حالت اسیری میں پوری طرح عمل کیا کہ زندان میں بھی دین کی خدمت ادا کرتے تھے۔ مالٹا میں بہت لوگ حضرت سے بیعت

ہوئے اور آپ نے اُسی حالت میں ترجمہ قرآن شریف پورا کیا اور کچھ تراجم بخاری شریف کی شرح بھی تحریر فرمائی تھی جو افسوس ہے کہ مکمل نہ ہو پائی۔

ذکر (۱۹) تواضع

حضرت نے دیوبند میں سب علماء کو جمع کر کے (جو کہ حضرت کے خدام اور تلامذہ تھے) یہ فرمایا کہ بھائی میں نے یہ قرآن کا ترجمہ پورا تو کر دیا ہے؛ لیکن سب مل کر اس کو دیکھ لو۔ اگر پسند ہو تو شائع کرو ورنہ رہنے دیا جائے۔

ف: اللہ اکبر اس تواضع کی بھی حد ہے۔

ذکر (۲۰)

حضرتؒ میں چوں کہ سوز و درد غایت درجہ تھا؛ اس لیے کبھی کبھی فارسی اور اُردو میں اشعار بھی نظم ہو جاتے تھے مولانا کا کلام بہت پاکیزہ عالمانہ مضامین سے بھرا ہوا اور درد وسوز میں ڈوبا ہوا ہوتا تھا عربی کلام مولانا کا میں نے آج تک نہیں دیکھا۔

ذکر (۲۱)

جب حضرت رمضان ۳۸ھ میں مالٹا سے دیوبند پہونچ گئے اُس وقت خدام کو زیارت کی بے حد تمنا تھی چناں چہ صدہا آدمی دیوبند پہونچ گئے تھے، احقر بوجہ اس کے کہ رمضان میں روزے کے ضعف کی وجہ سے سفر دشوار ہوتا ہے فوراً نہ جا سکا؛ مگر اُس وقت شوق اور بیتابی کی حالت میں چند عربی اشعار موزوں ہو گئے تھے جس میں حضرت کی تشریف آوری پر اظہار مسرت ومبارکباد کا مضمون تھا جس کو میں نے قلمبند کر کے مولانا شبیر احمد صاحب عثمانی کی خدمت میں بھیج دیا تھا کہ حضرت کو سنا دیے جائیں؛ چناں چہ مولانا موصوف نے وہ اشعار سنا دئے رمضان کے بعد جب میں خود حاضر خدمت ہوا،

تو احباب سے معلوم ہوا کہ ان اشعار کو سن کر حضرت نے یہ فرمایا کہ جو کچھ پیش آیا بحمد للہ اس میں بھی خدا کی طرف سے نعمت اور راحت تھی اور احقر کے لیے دعائیہ کلمات فرمائے مطلع کے دو شعر یہ تھے ۔

زال الظلام وضياء كل مكان ❖ بطلوع بدر تم في اللمعان

روح الحياة اعبد في الأبدان ❖ بقدوم شيخ عارف رباني

اب میں نے انہی اشعار کو مطلع بدل کر مرثیہ کی صورت میں کر دیا ہے جو آگے خاتمہ پر نقل ہوگا۔

ذکر (۲۲)

جب میں حاضر خدمت ہوا رات کا وقت تھا اُس وقت زیادہ بات چیت کا موقعہ نہ مل سکا ہجوم زیادہ تھا صبح کو اچھی طرح زیارت ہوئی اور میں نے اپنی کتاب الدر المنضود ترجمۃ البحر المورود حصہ اول حضرت کی خدمت میں پیش کی جس کو حضرت نے بہت خوشی سے قبول کیا اور اُسی وقت کچھ (کہیں کہیں) سے ورق لوٹ کر دیکھا اور دعائیہ کلمات سے سرفراز فرمایا **فالحمد للّٰہ علیٰ ذٰلک**

ذکر (۲۳)

حضرت مولاناؒ کو مالٹا سے تشریف لانے کے بعد افسوس یہ ہے کہ راحت کا موقعہ نہ ملا؛ اس لیے بہت جلد بوجہ ضعف کے بیمار ہو گئے اور علالت دن بدن بڑھتی گئی ایک مرتبہ دیوبند ہی میں بہت زیادہ نازک حالت ہوگئی تھی؛ مگر پھر افاقہ ہو گیا اُس وقت آپ کو مدرسہ اور اپنی حدیث پڑھانے کی جگہ بہت یاد آئی اور دیکھنے کا اشتیاق ظاہر فرمایا؛ چناں چہ پالکی میں لٹا کر اس جگہ لایا گیا، جہاں آپ درس دیا کرتے تھے، پالکی کو علماء کی جماعت نے اپنے کاندھوں پر اٹھایا وہ بھی عجیب سماں ہوگا (یہ واقعہ اخبار ہمدم سے معلوم

ہوا) پھر دوبارہ آپ کی طبیعت ناساز ہوگئی اور علالت بڑھتی گئی تو آپ کو معالجہ کے لیے دہلی لایا گیا ہوش وحواس آپ کے اخیر تک درست تھے اور ذکر اللہ میں اکثر مشغول رہتے تھے (یہ مولانا حسین احمد صاحب کا بیان ہے جو اخبار الخلیل میں طبع ہوا ہے) یہاں تک کہ ۱۸ر ربیع الاول ۳۹ھ کو صبح سے پہلے یا اُس کے بعد آپ کا وصال ہوگیا مادۂ تاریخ وصال اُردو میں بھی ہے ''ہائے آج چراغ دینی بجھ گیا'' اور نظم فارسی میں یہ ہے:

گفت ہاتف بہر تاریخش کہ دوہائے
مرشد محمود آواں شد شہید
۱۶ ۱۳۲۳ھ

اور نثر عربی میں یہ ہے:

المحمود عاش حميداً ومات شهيداً

ذکر (۲۴)

حضرت رحمۃ اللہ علیہ دستخط وغیرہ میں اکثر بندہ محمود لکھا کرتے تھے تصنع سے غایت درجہ نفرت تھی مہر میں نے حضرت کی نہیں دیکھی؛ لیکن سنا ہے کہ مہر بھی تھی جس پر یہ سجع کندہ تھا: الٰہی عاقبت محمود گرداں (آمین)

ذکر (۲۵)

دنیا دارالفنا ہے، یہاں سے سب کو ایک نہ ایک دن جانا ہے؛ اس لیے بجز صبر وشکر کے کوئی چارہ نہیں۔ ہم کو ایسے موقع پر سیدنا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کو یاد کر کے دل کو تسلی دینا چاہیے، حق تعالیٰ فرماتے ہیں: ﴿**وَمَا مُحَمَّدٌ اِلَّا رَسُوْلٌ، قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِهِ الرُّسُلُ، اَفَاِنْ مَّاتَ اَوْقُتِلَ انْقَلَبْتُمْ عَلٰٓى اَعْقَابِكُمْ وَمَنْ يَّنْقَلِبْ عَلٰى عَقِبَيْهِ فَلَنْ يَّضُرَّ اللّٰهَ شَيْئًا، وَسَيَجْزِى اللّٰهُ الشّٰكِرِيْنَ**﴾ جب رسول اللہ

صلی اللہ علیہ وسلم کے وصال پر بھی ہم کو شکر کی تعلیم ہے تو بندگانِ دین کی وفات پر بدرجۂ اُولیٰ۔ سچ ہے ؎

إلا إنما كانت وفاة محمد ❖ دليلا علىٰ أن ليس للّٰه بغالب

بے شک سیدنا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات اس کی بڑی دلیل ہے کہ خدا کی مشیت میں کسی کو کچھ دخل نہیں حضرت عباس بن عبد المطلب کی وفات کے موقعہ پر ایک بدوی نے عبداللہ بن عباسؓ کو ان الفاظ سے تسلی دی تھی ؎

اصبر نكن بك صابرين فإنما ❖ صبر الرعية بعد صبر الرأس

خير من العباس أجرك بعده ❖ و اللّٰه خير منك للعباس

(ترجمہ) آپ صبر کیجیے؛ تاکہ ہم بھی آپ کی وجہ سے صابر ہوجاویں؛ کیوں کہ رعیت کا صبر سردار کے صبر کے تابع ہے آپ کے لیے وہ اجر حضرت عباس سے بہتر ہے جو اُن کے بعد (صبر کرنے سے) آپ کو ملا اور عباس کے لیے خدا تعالیٰ آپ سے بہتر ہیں واقعی خوب تسلی دی۔ میں بھی حضرت کے تمام اعزہ واقارب اور خدام عالی مقام کی خدمت میں یہی مضمون عرض کرتا ہوں حق تعالیٰ ہم سب کو صبر جمیل عطا فرماوے۔ حقیقت یہ ہے کہ اہل اللہ کی وفات کو وفات نہ کہنا چاہیے وہ اپنے بیشمار کارنامے دنیا کے سامنے چھوڑ جاتے ہیں جو ہمیشہ ان کے نام کو زندہ رکھتے ہیں ؎

ہرگز نہ میرد آنکہ دلش زندہ شد بعشق ❖ ثبت ست بر جریدۂ عالم دوام ما

پس ہم کو اس کی کوشش کرنی چاہیے کہ حضرت قدس سرہٗ ہمارے سامنے اتقاء اور زہد اور محبتِ الٰہی واتباعِ سنت واخلاقِ حمیدہ کا جو نمونہ چھوڑ گئے ہیں، اس پر کوشش کے ساتھ عمل کریں اور ان کی محبت کو اپنے دلوں میں جگہ دیں؛ تاکہ بموجب حدیث: ''**المرء مع من أحب**'' کے آخرت میں حضرت کے ساتھ محشور ہوں اور اُن کے قریب سے سرفراز ہوں (آمین ثم آمین) اب میں اس تذکرہ کو چند اشعار عربیہ پر ختم کرتا ہوں۔

رثاء العارف الكامل قدوة الأماثل والأفاضل رئيس المحدثين في زمانه إمام السالكين في عصره وأوانه شيخ العالم سيدي مولانا محمود حسن الديوبندي تغمده اللّٰه بلطفه الأبدي

حزن بقلبي أم نطى نيران (١) قد احرقت حتّى كأني الفاني
كيف القرار وقد تبدلت السماء (٢) لا فول بدر تم في اللمعان
كيف الحياة وقد تفتت مهجتي (٣) برحيل شيخ عارف ربانى
مولائي محمود الأنام المقتدي (٤) قطب الهداية منبع الفيضان
بحر الندىٰ شمس الولاية والتقىٰ (٥) غوث البرية كامل العرفان
بحر يروى الطالبين بفيضه (٦) شمس تزيل حنادس الأحزان
أو مزنة جادت بأمطار الهدىٰ (٧) تشفي الغليل بضيفها الهتان
ربّ المحامد والمعارف والعلىٰ (٨) وفضائل جلت عن التبيان
كنز العلوم محدث ومفسر (٩) متكلم ومترجم القرآن
متبحر في الفقه والمعقول في (١٠) علم الحديث هو العديم الثاني
فرد الزمان وبيهقي أوانه (١١) ومماثل بن سعيد القطان
واحسرتا من للحديث وأهله (١٢) من بعده في أرض هندستاني
أسد الإلٰه محيه وحبيبه (١٣) حامي الشريعة صابر حقاني
قاسي الشدائد و المصائب لم يخف (١٤) في اللّٰه لومة لائم بمكان
فرشت لوطئة قلوب أولي النهٰى (١٥) وجماله قرت به العينان
وكلامه للطالبين كائنه (١٦) ماء الحيات أتىٰ إلى الظمأن
محمّود لايتعد فذكرک خالد (١٧) و الذكر كالإنسان عمر ثان

للّٰـه أنـت ايـا إمـام أولي التقٰى (١٨) للّٰـه درک مـن عـظيـم الشـان
لا زلـت مبتهـج الـفواد ولم تزل (١٩) فـي عيشة مـرضية بـجنـان
لازالـت في كنف المهيمن فائزا (٢٠) بـنـعيـم رؤيتـه مـع الـرضـوان
والـنـظـر إلى الظفر الكييب فإنه (٢١) يـر جـو جـوارک يارجاء العاني
ثـم الـصـلاتـه عـلى النبي محمد (٢٢) وعـلٰى صـحـا بتـه أولي الإتقان
هٰذا وأنا المفتقر إلى رحمة ربي الصمد. عبده المنذب ظفر أحمد
عفا اللّٰه عنه بمنه و كرمه غرة رجب المرجب ١٣٣٩ھ

(١) یہ میرے دل میں رنج وغم ہے یا ایسی آگ کا شعلہ ہے جس نے جلا پھونک کر مجھے مردہ اور نیم جان بنا دیا ہے۔
(٢) اب کیوں کر قرار آئے کہ بدر کامل کے غائب ہو جانے سے آسمان ہی بدلا ہوا معلوم ہوتا ہے۔
(٣) اب زندگی کیسی جب کہ شیخ عارف ربّانی کی رحلت سے دل ہی پارہ پارہ ہو چکا۔
(٤) وہ کون! میرے آقا مخلوق کے محمود مقتدیٰ ہدایت کے قطب فیوض کے سرچشمہ۔
(٥) سخاوت کے دریا ولایت اور اتقا کے آفتابِ مخلوق کے فریادرس عرفان میں کامل۔
(٦) ایسا دریا جس سے طالبین خوب سیراب ہوتے تھے ایسا آفتاب جو رنج وغم کی تاریکیوں کو دور کرتا تھا۔
(٧) بلکہ ایسا بادل جو ہدایت کی بارشیں برساتا تھا اور اپنے بہتے ہوئے سیلاب سے سب کی پیاس بجھاتا تھا۔
(٨) محامد وعلوم اور بلندی والے تھے اور ان میں ایسے فضائل تھے کہ بیان سے باہر ہیں۔
(٩) علوم کے خزانہ تھے محدث ومفسر تھے متکلم مناظر اور قرآن کے مترجم تھے۔
(١٠) فقہ ومعقول میں متبحر تھے اور علم حدیث میں تو یکتا و بے نظیر ہی تھے۔

(۱۱) خلاصہ یہ کہ اپنے زمانہ میں فرد اور اپنے وقت کے بیہقی اور سعید بن قطان محدث کے مشابہ تھے۔

(۱۲) واحسرتا ان کے بعد ہندوستان میں حدیث اور اہلِ حدیث کے لیے کون ہوگا۔

(۱۳) وہ خدا کے شیر اور اس کے عاشق اور اس کے محبوب تھے شریعت کے حامی اور سچے صابر تھے۔

(۱۴) شدائد اور مصائب بہت جھیلیں؛ مگر کسی موقعہ پر خدا کی راہ میں کسی کی ملامت کی پرواہ نہ کی۔

(۱۵) ان کی تشریف آوری کے لیے عقلاء کے دل فرش بن گئے تھے اور جن کے جمال سے ہر ایک کی دونوں آنکھیں ٹھنڈی ہوگئی تھیں۔

(۱۶) اور عاشقوں کے سامنے ان کی باتیں ایسی تھیں کہ گویا پیاسے کے پاس آب حیات پہونچ گیا۔

(۱۷) مولائی محمود! آپ دُور نہ جایئے؛ کیوں کہ آپ کا ذکر یہاں ہمیشہ رہے گا اور انسان کے لیے ذکر خیر بھی دوسری عمر ہے۔

(۱۸) اے متقیوں کے امام! بس خدا کے سپرد اے عظیم الشان ذات تیری خوبی خدا ہی کی بنائی ہوئی ہے۔

(۱۹) خدا کرے تم ہمیشہ خوش دل رہو اور جنتیوں میں راحت کی زندگی بسر کرتے رہو۔

(۲۰) ہمیشہ خدا کے دامن رحمت میں اس کے دیدار اور رضا کی نعمت سے کامیاب رہو۔

(۲۱) اور ذرا اس پریشان دل ظفر کی طرف ایک نگاہ بھر دیکھ لی جیو کہ اے مصیبت والوں کی امید گاہ! وہ بھی آپ کی ہمسائیگی کا امیدوار ہے۔

(۲۲) پھر صلاۃ وسلام نازل ہو سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر اور آپ کے جان نثاروں پر جو کہ بڑی پختگی والے تھے۔ فقط

شیخ العرب والعجم حضرت مولانا محمود حسن قدس سرہٗ

کے

گراں قدر کلماتِ حکمت

بروایت

حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانوی قدس سرہ

شیخ الہند حضرت مولانا محمود حسن صاحب قدس سرہٗ کے علم وفضل کا کیا ٹھکانا؟ لیکن حضرت تھانویؒ راوی ہیں کہ ''ایک مرتبہ مرادآباد تشریف لے گئے تو وہاں کے لوگوں نے وعظ کہنے کے لیے اصرار کیا۔ مولانا علیہ الرحمہ نے عذر فرمایا کہ مجھے عادت نہیں ہے مگر لوگ نہ مانے تو اصرار پر وعظ کے لیے کھڑے ہوگئے اور حدیث **فقیہ واحد أشد علی الشیٰطین من ألف عابد** پڑھی اور اس کا ترجمہ یہ کیا کہ ''ایک عالم شیطان پر ہزار عابد سے زیادہ بھاری ہے''، مجمع میں ایک مشہور عالم موجود تھے۔ انہوں نے کھڑے ہوکر کہا کہ: ''یہ ترجمہ غلط ہے اور جس کو ترجمہ بھی صحیح کرنا نہ آوے اس کو وعظ کہنا جائز نہیں''۔

حضرت شیخ الہندؒ کا جوابی ردعمل معلوم کرنے سے پہلے ہمیں چاہیے کہ ذرا دیر گریبان میں منہ ڈال کر سوچیں کہ اگر اُن کی جگہ ہم ہوتے تو کیا کرتے؟ ترجمہ صحیح تھا اور اُن صاحب کا اندازِ بیان توہین آمیز ہی نہیں، اشتعال انگیز بھی تھا؛ لیکن اس شیخ وقت کا طرزِ عمل سنیے، حضرت تھانوی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ یہ سن کر مولانا فوراً بیٹھ گئے اور فرمایا کہ ''میں تو پہلے ہی کہتا تھا کہ مجھے وعظ کی لیاقت نہیں ہے؛ مگر ان لوگوں نے نہیں مانا۔ خیر اب میرے پاس عذر کی دلیل بھی ہوگئی، یعنی آپ کی شہادت'' چناں چہ وعظ تو پہلے ہی مرحلے پر ختم فرمادیا، اس کے بعد اُن عالم صاحب سے بطرزِ استفادہ پوچھا کہ ''غلطی کیا ہے؟ تاکہ آئندہ بچوں'' انہوں نے فرمایا کہ **أشد** کا ترجمہ **أثقل** (زیادہ بھاری) نہیں؛ بلکہ **أضرّ** (زیادہ نقصان دہ) کا آتا ہے۔'' مولاناؒ نے برجستہ فرمایا کہ ''حدیث وحی میں ہے: **یاتیني مثل صلصلة الجرس وهو أشد ہ عليّ** (کبھی مجھ پر وحی گھنٹیوں کی آواز کی طرح آتی ہے اور وہ مجھ پر سب سے بھاری ہوتی ہے) کیا یہاں بھی أضرّ (زیادہ نقصان دہ) کے معنی ہیں؟ اس پر وہ صاحب دم بخود رہ گئے۔

(ماہنامہ دارالعلوم دیوبند ستمبر ۲۰۱۰ء حضرت مفتی محمد تقی عثمانی)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

مدارسِ اسلامیہ کے لیے چندہ جمع کرنے کا طریقہ

(۱) ارشاد فرمایا کہ مولانا مبارک علی صاحب سابق نائب مہتمم دارالعلوم دیوبند سے مجھے یہ روایت پہنچی ہے کہ حضرت شیخ العرب والعجم مولانا محمود حسن کے سامنے یہ مشکل پیش کی کہ مدارسِ عربیہ اسلامیہ کے لیے چندہ جمع کرنے میں بہت سے منکرات پیش آتے ہیں۔ لوگوں میں علم وعلماء کی تحقیر پیدا ہوتی ہے وغیرہ اور چندہ نہ کریں تو ان مدارس کا کام کیسے چلے؟ حضرت نے فرمایا: چندہ کرو مگر غریبوں سے'' کچھ ذلت نہیں (وہ جو کچھ بھی دیں گے نہایت خلوص اور تواضع سے دیں گے اور اس میں برکت بھی ہوگی) مالدار اوّل تو خود ہی تنگ ہوتے ہیں پانچ سو کی آمدنی ہے اور چھ سو کا خرچ یہ تو رحم کے قابل ہیں (اور اگر کچھ دے بھی دیا تو محصل کو ذلیل اور خوار اور اپنے کو بڑا سمجھ کر دیں گے اس میں بے شک ذلت ہے جامع)

حضرت تھانویؒ نے روایت نقل کر کے فرمایا کہ یہ بالکل صحیح علاج ہے۔ وجہ یہ ہے کہ غریب لوگ چندہ جمع کرنے والے علماء کو حقیر نہیں سمجھتے۔ تعظیم کے ساتھ پیش کرتے ہیں۔ ان پر بارِ خاطر بھی نہیں ہوتا۔ خوش دلی کے ساتھ دیتے ہیں جس میں برکت ہی برکت ہے؛ مگر اس پر یہ سوال ہوگا کہ غریب لوگوں سے چند ملے گا ہی کتنا؟ مقدار چندہ بہت گھٹ جائے گی؛ مگر یہ خیال اولاً تو یوں غلط ہے کہ دُنیا میں ہمیشہ غریبوں کی تعداد زیادہ اور مالداروں کی کم رہی ہے۔ اگر فی الواقع چندہ کم وصول ہو تو کام کو اسی پیمانہ پر کرو، زیادہ نہ بڑھاؤ، کیا ضروری ہے کہ قدرت سے زیادہ بار اُٹھایا جائے۔

(مجالس حکیم الامت: صفحہ ۳۱۱)

حدیث لدُود کا مفہوم

(۲) حضرت مولانا دیوبندیؒ نے حدیث لدُود کی تشریح اسی اصول کی بناء پر فرمائی ہے۔ لدُود اس دوا کو کہتے ہیں جو خاص طریقہ سے مریض کے حلق میں ڈالی جاتی ہے۔ واقعہ حدیث کا یہ ہے کہ ایک مرتبہ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم بیمار ہوئے۔ صحابۂ کرام میں باہم مشورہ ہوا کہ آپ کو لدود کیا جائے؛ مگر آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے منع فرمایا۔ بعد میں اتفاقاً آپ کو غشی ہوگئی۔ صحابۂ کرامؓ نے یہ خیال کیا کہ آپ کا منع فرمانا ایک طبعی امر ہے کہ مریض کو دوا سے کراہت ہوا کرتی ہے واجب التعمیل حکم نہیں ہے اس لیے غشی کی حالت میں لدُود کر دیا۔ جب آپؐ کو افاقہ ہوا تو پوچھا کس کس نے مجھے لدُود کیا تھا؟ جس جس نے لدود میں شرکت کی تھی ان سب کو لدُود کیا جائے چناں چہ ایسا کر دیا گیا۔

اس واقعہ میں بظاہر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مخالفت کرنے والوں سے اپنا انتقام لے لیا ہے؛ حالاں کہ آپؐ کی عام عادت کسی سے اپنا انتقام لینے کی نہ تھی۔ حضرت شیخ العالم رحمہ اللہ نے فرمایا کہ ''اس وقت غالباً انتقام لینا اس مصلحت سے تھا کہ یہ لوگ جن سے یہ مخالفانہ عمل سرزد ہوگیا ہے دنیا یا آخرت کے کسی عذاب سے دوچار نہ ہوجائیں''۔ حضرت شیخ العالم رحمہ اللہ نے وضاحت کے لیے مزید فرمایا:

''ایک بزرگ راستہ پر تشریف لے جارہے تھے ایک مرید اُن کے ساتھ تھا ایک کنویں پر اُن کا گزر ہوا جہاں لوگ پانی بھر رہے تھے ان میں ایک بڑھیا عورت بھی تھی، اس نے ان بزرگوں کو دیکھ کر کچھ ناشائستہ الفاظ بُرائی کے کہے۔ ان بزرگ نے مُرید سے کہا کہ اس کو مارو (مرید حیرت سے دیکھتا رہا کہ یہ بزرگ کسی سے بھی انتقام نہیں لیتے اور اس وقت ایک عورت کو مارنے کے لیے فرمارہے ہیں۔ شاید میں اُن کی بات سمجھا نہیں۔ اس میں کچھ توقف ہوا تو یہ بڑھیا وہیں گر کر مرگئی۔ ان بزرگ نے مرید سے کہا

ظالم تو نے اس کا خون کیا۔ جب اُس نے وہ کلمات کہے تو میں نے دیکھا کہ اللہ تعالیٰ کا قہر اُس کی طرف متوجہ ہوا۔ اس کو اس قہر سے بچانے کا ایک ہی راستہ تھا کہ میں کچھ انتقام لے لوں؛ اس لیے مارنے کو کہا تھا تم نے تاخیر کر دی جس کی وجہ سے عذاب نے اس کو پکڑ لیا۔ (مجالس حکیم الامتؒ: صفحہ ۲۲۸-۲۲۹)

(۳) فرمایا کہ حضرت مولانا دیوبندیؒ اچھے خوشحال گھرانے کے تھے جوانی میں نہایت پر تکلف کپڑا پہنتے تھے؛ مگر میرے دیکھتے ہی دیکھتے یہ حال ہو گیا۔ ہمارے حضرت نے فرمایا کہ میں جب دیوبند جایا کرتا تھا مجھے یہ یاد نہیں کہ مولانا سے ملنے کی ابتداء میں نے کبھی کی ہو۔ جب ارادہ کرتا کہ ذرا سانس لے کر حاضر ہوں گا بس جھٹ مولانا تشریف لے آتے۔

انبیاء علیہم السلام کو عوام نے نہ پہچانا

(۴) فرمایا: مولانا دیوبندیؒ نے فرمایا کہ بڑوں کو بڑے پہچانتے ہیں اور چھوٹوں کو چھوٹے اولیا متوسلین کو لوگوں نے پہچانا ہے اور کاملین کو عوام نے نہیں پہچانا۔ اسی طرح انبیائے کرام کو لوگوں نے کم پہچانا۔ اولیاء کاملین کا تعلق بھی انبیائے کرام علیہم السلام سے ہوتا ہے؛ اس لیے عدمِ خفاء باعثِ اخفاء ہو گیا۔ (فیوض الرحمٰن: صفحہ ۲۲)

اصلاح کی خاطر سختی کرنا

(۵) فرمایا: حضرت مولانا دیوبندیؒ کی بھی آخر میں یہی رائے ہو گئی تھی کہ بعض کے لیے تشدد کی ضرورت ہے؛ چناں چہ ایک معتبر شخص مجھ سے حضرتؒ کا ارشاد نقل کرتے ہیں کہ متکبرین کو تھانہ بھون بھیجنا چاہیے، وہاں ہی درست ہو سکتے ہیں۔

(تھانہ بھون بھیجنے سے مراد میرے پاس بھیجنا تھا)۔ (الافاضات الیومیہ: جلد ۳، صفحہ ۱۱۴)

یہ اس کی طرف اشارہ ہے کہ حضرت حکیم الامتؒ اصلاح کی خاطر دلسوزی سے متکبرین وغیرہم پر سختی فرماتے تھے مگر اس سختی میں بھی دراصل شفقت پوشیدہ ہوتی تھی۔ بقول عارف باللہ حضرت خواجہ عزیز الحسن صاحب مجذوبؒ ؎

منبع صد کرم تیرا لطف بھر اعتاب تھا
سارے تعلقات کا وہی توفتح باب تھا

واقعی ایسی سختی پر ہزاروں شفقتیں قربان ہوں؛ اسی لیے آپ کے متعلقین اس سختی سے بھاگتے نہ تھے بلکہ بزبان حال یہ کہتے ؎

ٹلوں گا میں نہ ہرگز لاکھ ہو تو خشمگیں ساقی
کہ جو مے سب سے بہتر ہے وہ ملتی ہے یہیں ساقی

ایک حدیث کا مفہوم

(۶) فرمایا: ہمارے حضرت دیوبندیؒ نے فرمایا کہ حدیث: ما انا علیہ واصحابی میں لفظ (ما) عام ہے۔ عقائد، اعمال، معاشرت، سیاست سب چیزوں کو اور مطلب اس کا یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک ان تمام شعبہ ہائے زندگی میں مقبول اور مستقیم وہی راستہ ہے جو آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا راستہ ہو، جو راستہ اس سے مختلف ہو وہ مستقیم نہیں خواہ عقائد کے متعلق ہو یا اعمال واخلاق سے یا حکومت وسیاست اور عام معاشرت سے ہو۔

(مجالس حکیم الامتؒ، البلاغ جمادی الاولیٰ ۱۳۹۹ھ)

جیل میں رونے کا سبب مقبولیت کی فکر تھی

(۷) فرمایا: حضرت مولانا دیوبندیؒ جس وقت مالٹا میں تشریف فرما تھے کہ ایک روز بیٹھے ہوئے رو رہے تھے ساتھیوں نے پوچھا کہ کیا حضرت گھبرا گئے ہیں؟ یہ لوگ سمجھے کہ

گھر بار یاد آ رہا ہوگا یا جان جانے کا خوف ہوگا؟ فرمایا:

''میں اس وجہ سے نہیں رو رہا ہوں بلکہ اس وجہ سے رو رہا ہوں کہ ہم جو کچھ کر رہے ہیں یہ مقبول بھی ہے یا نہیں؟'' (الافاضات الیومیہ: ج ۳، صفحہ ۱۱۶)

کلمۃ اللہ میں کلمہ سے کیا مراد ہے؟

(۸) ارشاد فرمایا کہ ایک مرتبہ زمانۂ طالبِ علمی میں ایک عیسائی مناظر انگریز۔ دیوبند کے اسٹیشن کے قریب ایک باغ ہے وہاں اس کا قیام ہوا اور میں خبر پا کر مناظرہ کے لیے وہاں پہنچا۔ حضرت مولانا دیوبندیؒ کو علم ہوا تو خیال ہوا کہ یہ ناتجربہ کار اور عیسائی کہنہ مشق اس لیے مناظرہ کے دوران تشریف لے آئے۔ اُس وقت عیسائی مناظر تقریر کر رہا تھا میرے جواب دینے کی نوبت نہ آئی تھی۔ مولانا نے مجھ سے فرمایا کہ میں گفتگو کروں گا۔ میں الگ ہو گیا۔ وہ عیسائی مناظر یہ کہہ رہا تھا کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کلمۃ اللہ تھے۔ مولانا نے کھڑے ہو کر فرمایا کہ کلمہ کسے کہتے ہیں؟ اور اس کی کتنی قسمیں ہیں اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کونسی قسم میں داخل تھے؟ بس اس کے ہوش وحواس اُڑ گئے۔ بار بار یہی کہتا جاتا تھا کہ کلمہ تھے۔ مولانا فرماتے کونسا کلمہ، کلمہ تو بہت قسم کا ہوتا ہے۔ جب یہ بتلا نہ سکا اور اس کی میم (عورت) نے خیمہ میں سے دیکھا کہ یہ جواب نہیں دے سکتا تو پرچہ بھیج دیا کہ مناظرہ بند کر دو۔ یہ عورتوں کے تابع ہوتے ہیں، مناظرہ چھوڑ کر چلا گیا۔ مزاحاً فرمایا کہ یہ لوگ مادیات ہی میں چلتے ہیں، نریات میں خاک بھی نہیں چلتے۔ (الافاضات الیومیہ: جلد ۳، صفحہ ۱۴۳)

ایک لطیفہ

(۹) ارشاد فرمایا کہ ایک مرتبہ مرادآباد اسٹیشن پر حضرت مولانا محمود حسن صاحبؒ کا اور میرا اجتماع ہو گیا۔ سیوہارہ کے بھی کچھ حضرات تھے۔ انہوں نے مجھے اور مولاناؒ کو

سیوہارہ اُتارنا چاہا میں نے اضمحلال طبع کا عُذر کیا اور حضرت مولانا نے قبول فرمالیا۔ لوگوں نے میرے عذر پر کہا ہم وعظ کی درخواست نہ کریں گے جس سے اضمحلال میں تکلیف ہو میں نے کہا کہ بدوں وعظ کیے تو مجھ کو کسی کی روٹی کھاتے ہوئے بھی شرم آتی ہے۔اس پر حضرتؒ نے بے ساختہ فرمایا:

''ہاں بھائی ایسے بے شرم تو ہم ہی ہیں کہ جو بلا کام کیے کھالیتے ہیں۔''

اس وقت میں بہت شرمندہ ہوا اور کوئی معذرت پیش کرنے کی بھی ہمت نہ ہوئی؛ مگر مولانا بشاش تھے۔ (الافاضات الیومیہ: جلد۲،صفحہ۱۶۵،۱۶۶)

قربانی میں ایسا جانور ذبح کرو جس سے رنج طبعی ہو

(۱۰) ارشاد فرمایا: اللہ تعالیٰ کے نام پر جہاں تک ہو سکے عمدہ جانور ذبح کرو جس کو ذبح کر کے کچھ تو دل دُکھے۔ جیسا کہ اپنی جان کو پیش کرتے یا بیٹے کو ذبح کرتے تو دُکھتا اب تو ویسا کہاں دُکھے گا؟ لیکن کچھ تو مال ایسا ہو جس کو ذبح کر کے دل پر کچھ چوٹ لگے۔ حق تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿لَنْ تَنَالُوا الْبِرَّ حَتّٰى تُنْفِقُوْا مِمَّا تُحِبُّوْنَ﴾ یعنی بِرّ کامل تم کو اس وقت تک حاصل نہ ہوگی جب تک کہ محبوب اشیاء کو خرچ نہ کرو۔''

انفاق محبوب کی صورت ایسی ہوتی ہے جیسے مولانا محمود حسن صاحبؒ نے ایک بار قربانی کی تھی۔ آپ نے قربانی سے کئی مہینے پہلے ایک بقرہ خریدی اور اس کو خوب دانا کھلایا پلایا اور عصر کے بعد جنگل میں اپنے ساتھ لے جا کر دوڑایا کرتے تھے۔ قربانی تک وہ اتنی تیار ہوگئی کہ ارزانی کے اس زمانے میں بھی قصائی اس کی قیمت ۸۰/روپئے دے رہے تھے آج کل گرانی کے زمانے میں تو نہ معلوم کتنی قیمت ہوتی؛ مگر مولانا نے کسی کو نہ دی اور قربانی کے دن ذبح کیا۔ جب وہ ذبح ہوئی تو مولانا کے دل پر اثر ہوا اور آنکھوں میں آنسو آ گئے؛

کیوں کہ عرصہ تک ساتھ رکھنے اور پرورش کرنے سے اس کے ساتھ محبت ہوگئی تھی۔

اس پر کوئی یہ نہ کہے کہ رنج کے ساتھ ذبح کرنا تو اچھا نہیں خوشی کے ساتھ ذبح کرنا چاہیے؛ کیوں کہ حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: **یافاطمه احضری اضحیتک و طیبی بها نفسک۔**

''یعنی اے فاطمہؓ! اپنی قربانی کے پاس آ کر کھڑی ہوجا اور اپنے دل کو خوش کر''

لہٰذا ایسا جانور ذبح کرنا چاہیے جس کے ذبح سے خوشی ہو ایسا نہ ہو کہ اچھا ہوا پاپ کٹا'' سو یہ خیال غلط ہے۔

حدیث میں طیب نفس کا امر ہے۔ وہ خوشی عقلی ہے اور میں جو کہہ رہا ہوں کہ ایسا جانور ذبح کرے جس سے دل دُکھے یہ رنج طبعی ہے جو عقلی خوشی کے منافی نہیں۔

(تکمیل الانعام فی صورۃ ذبح الانعام: صفحہ ۳۲ تا ۳۴)

شعارِ کفر

(۱۱) فرمایا: جب مولانا محمود حسنؒ مالٹا سے تشریف لائے تو بمبئی کی بندرگاہ پر استقبالی گروہ بہت زیادہ تعداد میں موجود تھا۔ حضرت مولاناؒ کی موٹر چلی تو ایک دم اللہ اکبر کا نعرہ بلند ہوا اس کے بعد گاندھی جی کی جے، محمد علی، شوکت علی کی (جے) اور مولوی محمود حسن کی جے کے نعرے بلند ہوئے۔

حضرتؒ نے شوکت علی کا دامن پکڑ کر کہا یہ کیا؟ اس پر شوکت علی نے کچھ خیال نہ کیا تو حضرت نے دوبارہ سختی سے فرمایا کہ اس کو بند کرو۔ اس پر شوکت علی نے کہا حضرت (جے) کے معنی فتح کے ہیں۔ حضرتؒ نے فرمایا کہ اگر یہ بات ہے تو رام رام کہا کرو۔ اور جو کچھ بھی ہو یہ شعارِ کفر ہے۔ (الافاضات الیومیہ: جلد ۵، صفحہ ۲۴۳)

واردات کی مخالفت سے دنیاوی ضرر ہوتا ہے

(۱۲) بروایت حضرت مولانا دیوبندی نقل فرمایا کہ ایک بزرگ کو معلوم ہوا کہ فلاں بزرگ اس بستی میں آئے ہیں۔ انہوں نے ارادہ کیا کہ آنے والے بزرگ سے ملاقات کروں، وارد ہوا کہ مت مِلو۔ اُن بزرگ نے خیال کیا کہ نہ ملنے کی کوئی وجہ نہیں یہ حدیث النفس ہے کہ ملنا چاہیے۔ اللہ کے بندہ ہیں اُن کی زیارت باعث سعادت ہے غرضیکہ وارد کی مخالفت کی اور ملنے کا پھر ارادہ کیا۔ وارد میں پھر منع کیا گیا۔ انہوں نے وارد کی پھر مخالفت کی اور بالآخر چل دئے۔ چلتے میں ٹھوکر لگی اور چلنے سے معذور ہوگئے۔ بعد میں وجہ معلوم ہوئی کہ وارد میں جو منع کیا گیا تھا اس کا سبب یہ تھا کہ وہ بدعتی بزرگ تھے جن سے ملنے کو منع کیا گیا۔

اس پر فرمایا کہ واردات کی مخالفت معصیت تو نہیں مگر دُنیاوی ضرر ضرور ہوتا ہے۔ یہ ضرر اضطراراً تو نہیں؛ مگر اختیاراً کبھی مفضی ہوجاتا ہے۔ ضرر دینی کی طرف، اور وہ اس طرح ہوتا ہے کہ کسی معصیت کا وسوسہ ہوا اور اس سے بچنے کے لیے کہ ہمت سے اس کی مقاومت ہوسکتی تھی؛ مگر طبعاً کسل ہوگیا اور اس سے غباوت ہوگئی۔ اس لیے اعمال میں کمی ہوگئی۔ اب اس میں دو ہی صورتیں ہیں کہ اگر وہ عمل واجب تھا تو خسران ہوا اور اگر واجب نہ تھا حرمان ہوا۔ (الافاضات الیومیہ: جلد ۱، صفحہ ۴۱)

معمول بھی ترک نہ کیا

(۱۳) فرمایا مجھے انضباط اوقات کا بچپن ہی سے بہت اہتمام ہے جو اس وقت سے لے کر اب تک بدستور موجود ہے اور یہ اسی کی برکت ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اس قدر دینی کام مجھ سے لے لیا۔ میں ایک لمحہ بھی بیکار رہنا برداشت نہیں کرتا۔

میرے استاد حضرت مولانا محمود حسن دیوبندیؒ ایک بار تھانہ بھون تشریف لائے میں نے ان کے قیام اور راحت رسانی کے تمام ضروری انتظامات کیے جب تصنیف کا وقت آیا تو بادب عرض کیا کہ: حضرت میں اس وقت کچھ لکھا کرتا ہوں اگر حضرت اجازت دیں تو کچھ دیر لکھ کر پھر حاضر ہو جاؤں۔ گو میرا دل اس روز کچھ لکھنے میں لگا نہیں؛ لیکن ناغہ نہیں ہونے دیا کہ بے برکتی نہ ہو تھوڑا سا لکھ کر جلد ہی حاضر خدمت ہو گیا حضرت کو تعجب بھی ہوا کہ اس قدر جلد آ گئے عرض کیا حضرت چند سطریں لکھ لیں معمول پورا ہو گیا۔

مسلمانوں میں مادرہ رحم

(۱۴) فرمایا کہ ہندو کہتے ہیں کہ مسلمان بڑے سخت دل ہیں۔ انہیں جانوروں کو ذبح کرتے ہوئے درد نہیں آتا۔ ان کا یہ کہنا غلط ہے۔ مولانا محمود حسن صاحب نے ایک بقرہ پالی تھی قصائی اس کے اسی روپے دیتے تھے جب وہ ذبح کی گئی تو مولانا کی آنکھوں سے آنسو جاری تھے جب دل دکھا تو جب ہی تو آنسو جاری ہوئے۔

(ص ۱۱۳ م نمبر ۳۵۶ حسن العزیز جلد دوم)

مجسمہ اخلاق

(۱۵) فرمایا کہ حضرت مولانا محمود حسن صاحبؒ سے ایک طالبِ علم اس بارہ میں جھگڑ رہے تھے کہ حدیث میں آیا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے بکریاں اور اونٹ اس طرح تقسیم فرمائے کہ ایک شخص کو ایک اونٹ اور دوسرے کو دس بکریاں دیں۔ ان طالبِ علم نے کہا یہ عدل کہاں ہوا ایک اونٹ کے مقابل ایک بکری ہونی چاہیے، مولانا نے فرمایا کہ کیا اونٹ اور بکری برابر ہوتی ہے۔ انہوں نے کہا جی ہاں اور یہی ہانکتے رہے۔

(ص ۲۰۷ م نمبر ۶۴۸ جلد مذکور)

اہلِ علاقہ کی اصلاح

(۱۶) فرمایا کہ دیوبند کے بعض لوگوں کا یہ خیال ہوا تھا کہ جب سے مدرسہ ہوا ہے ہم لوگوں پر غربت آ گئی۔ حضرت مولانا محمود حسن صاحب رحمہ اللہ نے فرمایا کہ یہ بات نہیں کہ مدرسہ تمہاری غربت کا سبب ہے بلکہ بات یہ ہے کہ پہلے تم لوگ خدا کے احکام کو نہیں مانتے تھے تو جرم میں بھی تخفیف ہوتی تھی۔ اب چوں کہ تم مدرسہ کی وجہ سے احکام خداوندی کو جان گئے ہو اور جہاں جان کر عمل نہیں کرتے اس لیے تم پر خدا کا غصہ ہے۔ اگر عمل کرو گے پھر خوشحال ہو جاؤ گے اس سے کوئی یہ نہ سمجھے کہ اس سے تو علم کا نہ پڑھنا ہی اچھا ہے تو جاہل رہنا خود ایک جرم ہے دیکھو اگر کسی کو کھانا کھا کر ہیضہ ہو جائے تو اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ کھانا کھانا ہی چھوڑ دو۔ (۶۸م نمبر ۱۳۶ مزید المجید)

لطیف تردید

(۱۷) فرمایا کہ مولانا محمود حسن صاحبؒ کے ایک رسالہ میں مولانا نے غیر مقلدوں کا رَد کیا ہے تو اس میں ان کے اس الزام کا کہ (مولانا تو غیر مقلدوں کے پیچھے پڑے رہتے ہیں) عجیب لطیف رد کیا ہے۔ لکھتے ہیں کہ مولانا تو ان کے پیچھے نہیں پڑے رہتے وہ خود ہی آگے کھڑے ہو جاتے ہیں۔ (وعظ روح القیام: ص ۳۷)

مقاصدِ شریعت کی حفاظت

(۱۸) فرمایا کہ حضرت مولانا محمود حسن صاحبؒ کی حیات میں حضرت کو دہلی ایک جلسہ شوریٰ میں مدعو کیا گیا تھا۔ حضرت بعض اعذار کی وجہ سے دہلی تشریف نہ لے جا سکے اور ایک مولوی صاحب کے ہاتھ خط بھیجا اور یہ ہدایت فرمائی کہ جو مسئلہ مذہبی پیش آئے

اس میں اپنا خیال صاف صاف بدون کسی خوف اور مداہنت کے ظاہر کردو اس وقت بقرہ کی قربانی بند کردینے پر زور دیا جارہا تھا۔ حضرت نے فرمایا کہ یہ مقاصد شرعیہ کے بالکل خلاف ہے ہم مذہبی احکام میں ادنیٰ تصرف اور ذراسی ترمیم کو بھی برداشت نہیں کرسکتے خواہ وہ لوگ ہمارا ساتھ چھوڑ دیں ہم سے جو خدمت اسلام کی بن پڑے گی کرتے رہیں گے۔ حضرت مولانا قدس سرہٗ سے محبت کا دعویٰ کرنے والے اور عقیدت کا دم بھرنے والے حضرت کے اس فرمان سے سبق حاصل کریں کہ ادنیٰ ترمیم کو بھی شریعت مقدسہ میں گوارا نہیں فرماتے نہ یہ کہ سر سے پیر تک شریعت مقدسہ کے خلاف باتیں کی جائیں احکامِ اسلام کی کھلم کھلا مخالفت کی جائے اور اس کو حضرت مولانا قدس سرہٗ کی طرف منسوب کیا جائے ان باتوں کو حضرتؒ کے مقاصد میں سے بتا کر مسلمانوں کو دھوکہ دیا جائے۔ (ص۹۱، الافاضات الیومیہ، ملفوظ نمبر ۱۱۷)

اختلافات میں بھی قلبی تعلق

(۱۹) فرمایا کہ حضرت مولانا محمود حسن صاحب قدس سرہٗ کی حیات میں احقر کو (حضرت حکیم الامت مولانا مرشدنا شاہ محمد اشرف علی صاحب رحمہ اللہ) اپنے مسلک پر آزادی سے عمل کرتا تھا۔ حضرت کی وفات کے بعد سے دیکھ بھال کر عمل کرتا ہوں وجہ اس کی یہ ہے کہ میں سمجھتا تھا کہ حضرتؒ اختلاف کی حقیقت سے واقف ہیں حضرت کے قلب پر میرے اختلاف سے ذرہ برابر بھی گرانی نہ تھی۔ پانی پت کے ایک مولوی صاحب نے مجھ سے بیان کیا کہ مرض الموت میں دہلی حضرت کے پاس جب زیادہ اختلاف کی خبریں پہنچیں تو یہ فرمایا کہ اختلاف تو اچھا نہیں معلوم ہوتا۔ لاؤ میں ہی کچھ اپنی رائے سے ہٹ جاؤں۔ حضرت کی نظر میں اختلاف کا یہ درجہ تھا۔

(الافاضات الیومیہ: ص۹۲)

اصاغر نوازی کی عجیب مثال

(۲۰) فرمایا کہ ایک مرتبہ تحریک خلافت کے زمانہ میں حضرت کی بیٹھک میں کچھ لوگ بیٹھے ہوئے میرے (حضرت حکیم الامت مولانا مرشدنا شاہ محمد اشرف علی صاحب رحمہ اللہ) متعلق برے بھلے الفاظ کہہ رہے تھے کچھ الفاظ حضرت کے کانوں میں پڑ گئے باہر تشریف لے آئے بہت خفا ہوئے اور یہ فرمایا کہ تم ایسے شخص کے بارے میں یہ الفاظ کہہ رہے ہو جس کو میں ایسا ایسا سمجھتا ہوں اور یہ فرمایا خبردار جو آئندہ ایسے الفاظ کبھی استعمال کیے اور یہ فرمایا کہ میرے پاس کوئی وحی آئی ہے کہ جو کچھ میں کر رہا ہوں وہ سب ٹھیک ہے میری بھی ایک رائے ہے اس کی بھی ایک رائے ہے ایک مرتبہ حضرت نے یہ فرمایا کہ ہمیں تو اس پر بھی فخر ہے کہ جو شخص تمام ہندوستان سے بھی متاثر نہ ہوا اور کسی کی بھی پرواہ نہ کی وہ بھی ہماری ہی جماعت سے ہے۔ (ص:۹۲ م نمبر ۱۱۷، الافاضات الیومیہ)

بے نفسی کی انتہاء

(۲۱) ایک سلسلہ گفتگو میں فرمایا کہ ہمارے بزرگوں کی عجب شان تھی کوئی ان کی نظیر پیش نہیں کر سکتا۔ مولوی محمود صاحب رامپوری نے مجھ سے حضرت مولانا محمود حسن صاحبؒ کی ایک حکایت بیان کی مجھ کو تو حیرت ہوگئی اور لوگ تو اپنا احترام اپنی خدمت اپنی پرستش چاہتے ہیں اور ان حضرات کی یہ حالت ہے کہ کیا ٹھکانا ہے اس بے نفسی کا انہوں نے بیان کیا کہ: ایک مرتبہ میں اور میرے ساتھ ایک ہندو ایک مقدمہ کے سلسلہ میں دیوبند آئے۔ دیوبند پہنچ کر اس ہندو نے مجھ سے پوچھا کہ تم کہاں ٹھہرو گے میں نے کہا کہ میں مولانا کے یہاں قیام کروں گا۔ وہ ہندو بولا مولانا جی میں روٹی تو اپنے اقارب میں کھالوں گا باقی سونے کے واسطے اگر کوئی چھوٹی سی چارپائی مجھ کو بھی مل جائے تو وہاں ہی ٹھہر جاؤں گا

میں نے کہا کہ مل جائے گی تو روٹی کھا کر آ جانا ایسا ہی ہوا میں نے حضرت مولانا کی بیٹھک میں ایک چارپائی اس کے لیے الگ بچھادی ایک چارپائی پر میں لیٹ گیا وہ ہندو تو پڑتے ہی سو گیا اور میں جاگ رہا تھا کہ حضرت مولانا دبے پاؤں زنان خانہ سے تشریف لائے اور اس ہندو کی چارپائی پر بیٹھ کر اس کے پیر دبانے لگے۔ میں ایک دم چارپائی سے کھڑا ہو گیا اور جا کر عرض کیا کہ حضرت چھوڑ دیں میں دبا دوں گا فرمایا کہ یہ تمہارا حق نہیں میرا مہمان ہے۔ یہ خدمت میرے ذمہ ہے میں نے اصرار کیا اس پر فرمایا کہ جاؤ تم کون ہوتے ہو گڑبڑ مت کرو بیچارے کی آنکھ کھل جائے گی تکلیف ہوگی، پس وہ ہندو تو پڑا ہوا خرخر کر رہا تھا اور مزاحاً فرمایا کہ خرخر میں أنـــا مقدر ہے اور مولانا پاؤں دبا رہے تھے اب مدعی تو بے نفسی کے بہت ہیں مگر ذرا عمل کر کے تو دکھائیں تب حقیقت معلوم ہو۔

ایک مرتبہ فرمایا کہ مولانا میں تواضع و مہمان نوازی کی خاص شان تھی۔

(ارواحِ ثلثہ)

بڑے چھوٹے کا فرق

(۲۲) ایک سلسلہ گفتگو میں فرمایا کہ سبحان اللہ حضرت مولانا دیوبندی رحمہ اللہ کی عالی حوصلگی قابل دید ہے کہ میرا مسلک جو حضرت مولانا کے مسلک سے ظاہراً مختلف تھا ڈھکا چھپا نہ تھا مگر حضرت مولانا ذرا بھی دلگیر نہ ہوئے۔ بڑے اور چھوٹوں میں یہ فرق ہوتا ہے۔ (الافاضات الیومیہ ص:۵۹، نمبر۱۲۴)

شیخ الہند نہیں شیخ العرب

(۲۳) ایک سلسلہ گفتگو میں فرمایا کہ اکثر لوگ حضرت مولانا (محمود حسن صاحب) دیوبندیؒ کو فخر سے شیخ الہند کہتے ہیں اور لکھتے ہیں یہ مجھ کو اس قدر ناگوار معلوم ہوتا ہے کہ شیخ

العالم کو (شیخ الہند) کہتے ہیں اگر ایسا ہی تھا تو شیخ العرب کہنا چاہیے تھا۔ نسبت بھی کی تو کفر کے ملک سے یہ کونسے فخر کی بات ہے اصل میں یہ نیچریوں کا لقب تجویز کیا ہوا ہے؛ مگر افسوس اپنی جماعت کے لوگ بھی بڑے فخر سے شیخ الہند کہتے ہیں۔ بس افسوس ان کی سمجھ پر ہے اس کی بالکل ایسی مثال ہے کہ وائسرائے کو کوئی کانسٹبل کہے یہ اہانت ہے یہ تعریف ایسی ہی ہے جس کو مولانا رومیؒ کہتے ہیں:

شاہ را گوید کسے جولاہا نیست
این نہ مدح است او مگر آگاہ نیست

نئے نئے لقب ایجاد ہو رہے ہیں۔ امام الشریعت امام الہند ہمارے بزرگوں کو ہمیشہ ایسی باتوں سے اجتناب رہا۔ ان حضرات کی زندگی سلف کا نمونہ تھی؛ مگر آج کل وہ باتیں پرانی اور دقیانوسی خیال کی جاتی ہیں۔ (حصہ سوم الافاضات الیومیہ: ص۹۶، ۲۸۵)

ملتے رہنے سے مخالفت کم ہوتی ہے

(۲۴) فرمایا کہ ہمارے حضرات میں شانِ تربیت اعلیٰ درجہ کی تھی۔ ایک وقت حاجی محمد عابد اور اہلِ مدرسہ سے اختلاف ہو گیا۔ میرا دیوبند جانا ہوا۔ تو مجھے شرم آئی کہ میں دیوبند آؤں اور حضرت حاجی صاحب سے نہ ملوں۔ اگر حاجی صاحب راستہ میں مل گئے تو بھی دعا سلام تو ضرور ہوگا اس وقت خواہ مخواہ ندامت ہوگی۔ یہ سوچ سمجھ کر میں حاجی صاحب کی ملاقات کو گیا۔ اور بھی جتنے بزرگ خلاف تھے سب سے ملا۔ اس پر میرے اوپر مدرسہ کے متعلقین کا سنسر قائم ہو گیا۔ جہاں میں جاتا ہوں میرے پیچھے پیچھے دیکھتے پھرتے ہیں کہ یہ فلاں فلاں جگہ گئے ہیں میں نے احتیاطاً اسی زمانہ میں ایک جلسہ میں جس میں حضرت مولانا دیوبندیؒ اور مولانا حافظ احمد صاحبؒ وغیرہ شریک تھے حضرت مولانا دیوبندیؒ سے عرض کیا کہ حضرت حاجی محمد عابد صاحبؒ میرے بزرگ ہیں جب میں یہاں آتا ہوں تو اُن سے ملنے کا

تقاضا میری طبیعت میں پیدا ہوتا ہے اگر مصلحت کے خلاف نہ ہو تو اُن سے مل لیا کروں۔ حضرت دیوبندیؒ نے فرمایا کہ ضرور ملو۔ اپنے مجمع میں سے اگر کوئی ملتا رہتا ہے تو مخالفت کم ہوتی ہے ہمارے حضرت نے فرمایا کہ حضرت دیوبندی رحمۃ اللہ علیہ کی اجازت کے بعد ایک دن بھی حضرت حاجی محمد عابد سے ملنے کو جی نہیں چاہا۔ اگر کوئی کہے کہ یہ حضرت دیوبندی رحمۃ اللہ علیہ کا تصرف ہے تو میں اس کا معتقد نہیں؛ کیوں کہ ہمارے حضرات کا ایسا مذاق نہیں ہے؛ بلکہ قاعدہ یہ ہے کہ الانسان حریص علی ما منع جس چیز سے آدمی کو روکا جاتا ہے تو اس کا شوق بڑھتا ہے اور جب اجازت دیدی جاتی ہے تو شوق کم ہو جاتا ہے۔

چناں چہ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جب ام سلیم کو رونے کی اجازت دیدی تو پھر اس سے بھی توبہ کرلی۔ اس لیے میں کہتا ہوں کہ تربیت مشکل ہے بڑے مبصر کا کام ہے۔ ایک شیخ دو شخصوں کی تربیت کرتا ہے ایک کی اور طرح اور ایک کی اور طرح جیسے طبیب کے سامنے دو مریض ہیں ایک کا اور علاج کرتا ہے اور دوسرے کا دوسری قسم کا اور راز خلوت میں بتانے کا بھی یہی ہے کہ دوسرے کو حرص نہ ہو نہ یہ کہ تعلیمات جدا جدا ہوں یہی نماز روزہ اور ذکر ہیں۔

انگریز کا اعتراف

(۲۵) فرمایا کہ حافظ احمد صاحبؒ سے مسٹن نے کہا تھا کہ ہمارے قلب میں بھی مولانا دیوبندی کی ویسی ہی عظمت ہے جیسے آپ کے قلب میں ہے اور وہ جو اس تحریک میں شریک ہو گئے ہیں کسی دوسرے کا اثر ہے۔

بدعت کی حرمت

(۲۶) فرمایا کہ حضرت مولانا محمود حسن دیوبندیؒ بعض بدعتیوں کی حس اور عقل کے متعلق فرماتے تھے کہ ایک مرتبہ میں اپنے بچپن کے زمانہ میں جب کہ اچھی طرح پیشاب

کے بعد ڈھیلا لینا بھی نہ جانتا تھا کہ کسی کے ہمراہ پیران کلیر کے میلہ میں گیا۔ اتفاق سے جو غسل کا وقت تھا اس وقت میں خاص مزار شریف کے پاس کھڑا ہوا تھا۔ سَقّہ آیا، اُس نے ایک دم مشک چھوڑ دی اور اس کی مشک چھٹنے کے ساتھ ہی آدمیوں کا ریلا اندر آ گیا میں چوں کہ بچہ تھا ہجوم کی وجہ سے اس پانی میں گر گیا اور تمام کپڑے شرابور ہو گئے۔ جب میں باہر نکلا تو لوگوں نے میرے تمام کپڑے اُتار کر مجھے ننگا کر دیا اور اس کا پانی نچوڑ کر تبرک سمجھ کر پی گئے اور پائجامہ کا پانی بھی پی گئے جو یقیناً ناپاک تھا۔

ایک حلیم کی حکایت

(۲۷) فرمایا: حضرت مولانا محمود حسن صاحبؒ زمانہ جاہلیت کے ایک حلیم کی حکایت بیان فرمائی تھی، کہ اس کے بھتیجے نے اس کے بیٹے کو قتل کر دیا۔ لوگ قاتل کو پکڑ کر اس کے باپ کے پاس لے گئے تو غایت حلم یہ تھا کہ اس نے اپنی نشست نہیں بدلی جس طرح بیٹھا تھا، اسی طرح بیٹھا رہا، اور یہ کہا احدیٰ یدی قطعت الاخریٰ۔ یعنی میرے ایک ہاتھ نے دوسرے ہاتھ کو کاٹ دیا ہے۔ اب یہ حماقت ہے کہ میں دوسرے ہاتھ کو بھی کاٹ دوں **ثم قال ولٰکن ادو إلیٰ امرأتي دیة ابنها من إبلي فإنها لاترضیٰ بدونها** پھر کہا؛ لیکن میری بیوی کو میرے اونٹوں میں سے ایک اس کے بیٹے کی دیت دیدو؛ کیوں کہ وہ بغیر دیت کے راضی نہ ہوگی۔ دیکھیے! یہ ایک کافر تھا جس نے ایک غیر اختیاری ضرر سے پریشان ہو کر اختیاری ضرر کو گوارہ نہ کیا تو کیا ہم کو مسلمان ہو کر ایسا نہ ہونا چاہیئے پس یہ بڑی حماقت ہے کہ مصائب غیر اختیاری کی وجہ سے اپنے معمولات کو تباہ کر کے اختیاری ضرر میں مبتلا ہوں اس وقت اعمال پر جمار ہنا یہی صبر ہے۔ (ماعلیہ الصبر ۲۸)

ثقہ لوگوں کی بھنگ

(۲۸) فرمایا: بقول حضرت مولانا دیوبندیؒ چائے ثقہ لوگوں کی بھنگ ہے تو صبح ہی یہ

بھنگ (یعنی چائے) اڑائی جاتی ہے جس کے ساتھ بسکٹ اور انڈے وغیرہ بھی ہوتے ہیں جو خاصی غذا ہے، پھر دوپہر کو اور اس کے بعد شام کو کھانا کھایا جاتا ہے پھر رات کو دودھ یا چائے پی کر سوتے ہیں اور چائے کو میں نے کھانا اس لیے شمار کیا ہے کہ اگر یہ نہ ہو تو ایسی بے چینی ہوتی ہے۔ جیسے کھانا کھایا ہی نہیں۔ (مظاہر الامال ۹)

علامتِ ولایت

(۲۹) ایک دفعہ حضرت مولانا دیوبندیؒ نے فرمایا ایک شخص ایک مشہور و معروف بزرگ شخص کی تلاش میں نکلا راستہ میں اس کی نماز کی جگہ کو دیکھا، کف دست کا نشان سجدے میں خلاف سنّت لگا ہوا تھا، یہ سمجھ کر کہ وہ مخالف سنت ہے وہیں سے واپس ہو گیا اور ارادۂ زیارت فسخ کیا جو شخص سنّتِ نبوی کا تارک ہو وہ بزرگ اور ولی نہیں ہو سکتا۔ (خیر الافادات)

حضرت مولانا دیوبندی (شیخ الہند) کے متعلق

حضرت حاجی صاحب کا ارشاد

حضرت اقدس تھانویؒ فرماتے ہیں کہ جب حضرت مولانا دیوبندی حضرت حاجی امداد اللہ صاحب کی خدمت میں مکہ معظّمہ حاضر ہوئے تو حضرت نے مولانا سے کوئی سوال کیا۔ مولانا نے جواب دیا جس پر حضرت حاجی صاحب نے خوش ہو کر فرمایا کہ مولوی قاسمؒ نے تمہیں فقط مولوی ہی نہیں بنایا بلکہ فقیر بھی بنا دیا ہے۔ (مجالسِ حکیم الامت ص ۲۸۰)

اساتذہ کی رائے

حضرت تھانویؒ کو تحصیل علم کا اس قدر شوق تھا کہ بعض اساتذہ سے بعض خاص کتابیں جن کے لیے مدرسہ میں وقت نہ تھا اس طرح پڑھیں کہ وہ حضرات تو نماز کے لیے وضو

کررہے ہیں اور حضرت تھانویؒ ان سے سبق پڑھ رہے ہیں۔ حضرت تھانویؒ کا سب اساتذہ خاص لحاظ فرماتے تھے اور بہت اچھی رائے رکھتے تھے؛ چناں چہ جب حضرت مولانا گنگوہی قدس سرہٗ العزیز طلبہ کا امتحان لینے اور دستار بندی کے لیے تشریف لائے تو حضرت مولانا محمود حسن صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت تھانویؒ کی ذہانت اور ذکاوت کی خاص طور پر تعریف فرمائی۔ تعریف سن کر حضرت مولانا رشید احمد گنگوہیؒ نے حضرت تھانویؒ سے بہت مشکل مشکل سوالات کیے جن کے جوابات سے مولانا بہت خوش ہوئے۔

مالٹا کی زندگی میں دو سبق

مفتیٔ اعظم حضرت مولانا مفتی محمد شفیع دیوبندی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ حضرت شیخ الہند رحمۃ اللہ علیہ مالٹا کی قید سے واپس آنے کے بعد ایک رات بعد عشاء دارالعلوم دیوبند میں تشریف فرما تھے۔ علماء کا بڑا مجمع سامنے تھا اس وقت فرمایا کہ ''ہم نے تو مالٹا کی زندگی میں دو سبق سیکھے ہیں (یہ الفاظ سن کر سارا مجمع ہمہ تن گوش ہو گیا کہ اس استاد العلماء درویش نے اسّی سال علماء کو درس دینے کے بعد آخر عمر میں جو سبق سیکھے ہیں (کیا ہیں؟) فرمایا کہ میں نے جہاں تک جیل کی تنہائیوں میں اس پر غور کیا کہ پوری دنیا میں مسلمان دینی اور دنیوی ہر حیثیت سے کیوں تباہ ہو رہے ہیں تو اس کے دو سبب معلوم ہوئے۔ ایک ان کا قرآن کو چھوڑ دینا۔ دوسرے آپس کے اختلافات اور خانہ جنگی؛ اس لیے میں وہاں سے یہ عزم لے کر آیا ہوں کہ اپنی باقی زندگی اسی کام میں صرف کروں کہ قرآن کریم کو لفظاً اور معناً عام کیا جائے۔ بچوں کے لیے لفظی تعلیم کے مکاتب ہر بستی میں قائم کیے جائیں۔ بڑوں کو عوامی درسِ قرآن کی صورت میں اس کے معانی سے روشناس کرایا جائے اور قرآنی تعلیمات پر عمل کے لیے آمادہ کیا جائے اور مسلمانوں کے باہمی جنگ وجدال کو ہرگز برداشت نہ کیا جائے۔''

غور کیا جائے تو یہ آپس کی لڑائی بھی قرآن کو چھوڑنے ہی کا لازمی نتیجہ ہے۔ قرآن پر کسی درجہ میں بھی عمل ہو تو خانہ جنگی کی نوبت نہیں پہنچتی۔ (وحدت امت)

حق تعالیٰ سب مسلمانوں کو احکام قرآنی پر عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔

(معارف الاکابر)

❑❖❑

شیخ و مرشد

حضرت حکیم الامت مجدد الملّت

حضرت مولانا اشرف علی تھانوی رحمہ اللہ کی وفات حسرت آیات پر

حضرت علامہ سیّد سلیمان ندوی رحمہ اللہ کے احساسات و قلمی تأثرات جو

آپ نے بڑے سوز و گداز سے درجہ ذیل عنوان کے تحت تحریر فرمائے ہیں

مَوْتُ الْعَالِمِ مَوْتُ الْعَالَمِ

یادگارِ قلم

مؤرخِ اسلام سید الملّت

حضرت علامہ سید سلیمان ندوی رحمہ اللہ

(مجازِ بیعت)

حضرت حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانوی رحمہ اللہ

مرکز معارف حکیم الامت

قیام کا

حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کے مکان کی مرمت اور تجدید و توسیع کرانے کے بعد اس کو فی الحال حضرت تھانویؒ کے علوم و معارف کے مرکز کی حیثیت دی جارہی ہے۔ مرکز معارف حکیم الامت کے مستقل قیام کے لئے حضرت تھانویؒ کے وقف کردہ تکیہ (باغ اشرف) سے متصل وسیع اراضی پر مرکز کی تعمیر کا ارادہ ہے جس میں حضرت تھانویؒ کی گراں قدر تصنیفات و تالیفات کو لائبریری کی شکل میں محفوظ کیا جائے گا۔ حضرت سے متعلق عربی، انگریزی، اردو کے علاوہ دیگر زبانوں میں ہونے والے کاموں کو اکٹھا کئے جانے کا بھی عزم ہے۔ اس کے علاوہ یہاں حضرت حکیم الامت کی شخصیت پر کام کرنے والوں کے لئے قیام و طعام کی سہولتیں بھی فراہم ہوں گی۔

بفضلہ تعالیٰ نشر و اشاعت کا سلسلہ فی الحال حضرت کے مکان سے شروع کر دیا گیا ہے۔ سہ ماہی فیضان حکیم الامت کے علاوہ اب تک کئی کتب طبع ہو کر منظر عام پر آچکی ہیں۔

دعا فرمائیں کہ اللہ تعالیٰ مرکز کے جملہ تعلیمی و تعمیری منصوبوں کی عافیت و سہولت سے تکمیل فرمائے اور اس نشر و اشاعت کے سلسلہ کو امت کے لئے نفع بخش بنائے۔ آمین

والسلام

Syed Huzaifa Najam Thanwi

OPEN TONE 989 786 9314

HAKEEMUL UMMAT ACADEMY
Moh. Ghair, Thana Bhawan- 247777, Distt. Shamli, U.P.
Mobile: 9568780000 | 9675780000
email: hakeemulummataacademy@gmail.com

MAULANA ASHRAF ALI THANVI FOUNDATION TRUST
A/c No.: 00311132000493 IFSC: PUNB0402300
Branch : PNB,Thanabhawan (Shamli) U.P.

مولانا تھانوی فاؤنڈیشن